جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ



مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

مئی ۲۰۲۶	جلد ۲۳	شمارہ: ۱۰	سلسلہ ۲۰۷

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

نائب مدیر

مولانا سید فضیل احمد ناصری

سید حمدان شاہ مسعودی

اشتراک وتعاون

اندرونِ ملک :

فی شمارہ -/30 سالانہ -/360

خصوصی -/1000

تاحیات -/6000

نگران ترسیل

مولانا ابوطلحہ اعظمی

شائع کردہ: جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

موبائل 9760822922

ای میل: jimask98@gmail.com

Composed by : Art Line, Dbd. #9358013409

ورق در ورق

صریر خامہ

عصریات

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

حج اور عید قرباں کا مبارک مہینہ ایک بار پھر ہم پر سایہ فگن ہے۔ یادگار اور عظیم مہینہ۔ حج اور قربانی جیسی عبادتوں سے معمور۔ عازمین حج مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ پھر وہی بلد حرام کی مقدس و پرنور فضائیں۔ پاکیزہ اور جان نواز ہوائیں۔ زیارت بیت اللہ کی سعادتیں۔ گاہے طواف کعبہ۔ کبھی صفا اور مروہ۔ منی اور مزدلفہ کے مقدس مقامات۔ میدان عرفات کا اجتماع۔ جمرات کی رمی۔ قربانی اور تکبیرات۔ حجاج کرام کن پرانوار مناظر سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور بخشتے ہیں۔ یہ حج کی عبادت ہے۔ ایک عظیم فرض۔ ایک عاشقانہ سفر۔ جناب خداوندی میں اس قدر مقبول کہ پیغمبر آخرالزماں علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ، فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَمَا وَلَدَتْهُ أُمُّهُ۔ جو شخص خانۂ کعبہ کا حج کرے اور اس دوران کسی چھوٹے بڑے گناہ کا صدور نہ ہو تو وہ اپنے وطن اس طرح واپس لوٹتا ہے جیسے اس کی ماں نے آج ہی جنم دیا۔

حج سے فارغ ہو کر بارگاہ رسول میں حاضری۔ روضۂ اقدس پر صلاۃ وسلام کا نذرانہ۔ مسجد نبوی میں ایک نماز پر پچاس ہزار نمازوں کا ثواب۔ ریاض الجنۃ میں حاضری۔ جنۃ البقیع کی زیارت۔ پھر مکے اور مدینے میں مقدس مقامات کی سیر۔ مسجد قبا میں مقبول نماز کی سعادت۔ غرض حرمین شریفین کے قیام کی ساری مدت روحانیت سے لبریز۔ جنہیں یہ موقع میسر ہوا وہ اپنے خالق و مالک کا شکر ادا کریں۔ شکر سے ہی نعمت بڑھتی ہے۔ عنایات ربانی المضاعف ہوتی ہیں۔ اپنی زندگی میں خوش گوار تبدیلی لائیں۔ نمازوں کا اہتمام۔ تلاوت قرآن کا مزاج۔ معاملات اور معاشرت کو اسلامی بنائیں۔ نعمت کی قدردانی یہی ہے۔ رب العالمین سے کیے ہوئے اپنے وعدے کو فراموش نہ کریں۔ وعدہ فراموشی بے شمار گناہوں کا پیش خیمہ ہے۔

حج کے ساتھ قربانی کے دن بھی ہم دوش و ہم قدم۔ عید کی نماز بھی ہو گی اور ایام تشریق میں تکبیر تشریق

بھی۔ساری دنیا کے لیے اور بلاتفریق رنگ ونسل۔قربانی بھی عظیم عبادت۔ ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔صحابۂ کرام نے پوچھا تھا: ما هي الاضاحي يا رسول الله! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قربانی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا تھا: هي سنة ابيكم ابراهيم۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔عید قرباں میں تین دن اللہ تعالیٰ سے بے حد قریب۔خالق کائنات میزبان ہے اور اس کے بندے مہمان مکرم۔کیا مقام ہے۔کیا منزلت ہے۔کیا ناز برداری ہے۔قربانی کیجیے۔شوق سے کیجیے اور اپنے معبود کو خوش کیجیے۔حالانکہ قربانی کا گوشت اللہ کے یہاں پہونچتا ہے، نہ اس کا خون۔صرف تقویٰ اور اخلاص ہی اس کی بارگاہ میں جاتا ہے۔تقوی کو اپنی فطرت بنایئے۔صرف قربانی میں ہی نہیں، ہر دن، ہر ساعت، ہر نیک عمل میں۔

……◆……

پانچ ریاستوں میں اسمبلی انتخابات کے نتائج آ گئے۔حیران کن اور تعجب انگیز۔خصوصاً مغربی بنگال کے نتائج چونکا دینے والے۔آنکھیں کھول دینے والے۔ایک زلزلہ۔ایک سونامی۔کیا سے کیا ہو گیا۔ترنمول کانگریس کا ناقابل تسخیر قلعہ بھی آن کی آن میں منہدم۔ٹی ایم سی عرش سے فرش پر۔ممتا بنرجی خاتون آہن موم کی ناک ثابت ہوئی۔کیا قوت تھی اور کیا زور!۲۰۱۱ء سے متواتر فتح یاب۔لگاتار پندرہ سال اقتدار کی مسند پر۔ہر مرتبہ امتیازی کامیابی اس کے دامن میں۔پچھلے انتخابات میں یہی ترنمول کانگریس تھی، جس نے ۲۹۳ء میں سے ۲۱۵/نشستیں حاصل کی تھیں، اب وہی ترنمول ہے، وہ ترنگ ہے، نہ جوش، بلکہ صرف ۸۱/پر قانع۔خود ممتا بنرجی بھی بھوانی پور کی سیٹ ۱۵۰۰۰/ووٹوں سے ہار گئیں۔ممتا کی یہ شکست ناقابل یقین ہے اور ناقابل فراموش بھی۔پچھلے پندرہ سال تک غیر مفتوح رہنے والی شخصیت اچانک کیسے زمین بوس ہوگئی، کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔تجزیہ نگار حیران۔مبصرین متحیر۔خود ممتا بنرجی بھی ششدر اور سکتے میں۔یہ نتائج بھی انہیں تسلیم نہیں۔ان کا دعویٰ کہ نتائج حقیقی عوامی مینڈیٹ نہیں، بلکہ ایک سوچی سمجھی سازش کا حصہ۔استعفیٰ دینے سے بھی انکار۔الیکشن کمیشن پر بھی زوردار حملہ۔بی جے پی کے مفادات کے لیے کام کرنے کا الزام۔

……◆……

تعجب بالائے تعجب یہ کہ زعفرانی پارٹی نے یہاں پہلی بار جادوئی ہندسہ عبور کرلیا۔۲۹۳/میں ۲۰۶/نشستیں۔سادہ اکثریت سے بھی میلوں آگے۔حکومت سازی کے لیے صرف ۱۴۷/سیٹیں درکار تھیں اور

یہاں ۲۰۰ر سے زیادہ اس کی جھولی میں۔ یہ وہ ریاست تھی جہاں زعفرانی صف کے لیے اقتدار پر قابض ہونا تو دور کی بات، اس کے قریب پہونچنا بھی ایک خواب تھا، ایسا خواب، جس کی تعبیر بہ ظاہر ممکن نہیں تھی۔ بنگال میں تاریخی فتح کے ساتھ ہی ان ریاستوں کی تعداد ۲۲ر ہوگئی، جہاں کی باگ ڈور این ڈی اے کے ہاتھ میں ہے۔

کہنے والے بہت کچھ کہہ رہے ہیں۔کوئی غیر شفافیت کا مدعی۔کوئی ای وی ایم کو ذمہ دار قرار دے رہا ہے۔کوئی ایس آئی آر کو نشانہ بنا رہا ہے۔کوئی بھگوا پارٹی کے ہندوتوا کو مورد الزام ٹھہرا رہا ہے۔ کہنے کو کچھ بھی کہا جا سکتا ہے۔ممکن ہے کہ اس میں کچھ صداقت بھی ہو، تاہم اتنا ضرور ہے کہ بھاجپا نے یہ کامیابی حکمت عملی سے حاصل کی۔ مضبوط حکمت عملی۔ انتخابات سے بہت پہلے سے دن رات محنتیں۔ مرکزی لیڈران پورے بنگال کے دورے پر۔ ڈھائی لاکھ افواج کی غیر معمولی موجودگی۔صوبائی زمین ہموار کرنے کے لیے تمام ہتھکنڈے اپنائے۔ سیاسی بساط پر اپنے مہرے ٹھیک ٹھیک بٹھائے۔ ہر چند تلخ گفتاریاں بھی ہوئیں۔ جارح بیانیاں بھی ہوئیں۔ ماحول سازی کے لیے ہر وہ حربے اپنائے گئے، جو بیدار ضمیروں کے نزدیک سوہان روح ٹھہرتے ہیں۔

سیاسی بساط الٹنے اور اقتدار کے خاتمے میں ممتا بنرجی کی اکیلے چلنے کے فیصلے نے بھی مؤثر رول ادا کیا۔ کانگریس کی بے جا مداخلت بھی اس کی ذمے دار ہے۔مجلس اتحاد المسلمین اور ہمایوں کبیر کی ہم زبانی و ہم قدمی نے تو گویا بنجر زمین کو زرخیز بنانے کا کام کیا۔نوے لاکھ ووٹروں کے اخراج کا بھی اپنا ایک کردار ہے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہوا، بھاجپا کے حق میں بہتر ہی نہیں، امیدوں سے ہزار گنا بڑھ کر۔ ممتا بنرجی کی شرمناک شکست کے بعد مغربی بنگال میں کشیدگی کی بھی خبریں ہیں۔آسنسول میں ٹی ایم سی کے دفاتر کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔مختلف علاقوں میں جھڑپیں بھی ہوئیں۔ اب تو دعا ہی کرنی چاہیے کہ مقلب القلوب چارہ سازی کرے۔ ہماری نگاہیں اسی پر ٹکی ہیں۔ وہی ہمارا مولیٰ اور نصیر ہے۔

......◆......

پانچ ریاستوں کے انتخابات میں آسام کے نتائج بھی حیران کن ثابت ہوئے۔ یہاں بی جے پی پہلے سے ہی اقتدار میں تھی۔ وزیر اعلیٰ ہیمنت بسوا اس کی کمان سنبھال رہے تھے۔ بسوا کی نفرت انگیز تقریروں اور جارحانہ بیانات سے عوام کبیدہ خاطر تھے، لیکن نتائج پھر بھی بھاجپا کے حق میں۔ دوسری پارٹیوں کا تو نام و نشان ہی مٹ گیا۔ کانگریس کے ۱۹ر امیدوار کامیاب ہوئے اور ایک کو چھوڑ کر سب مسلمان۔ پچھلے

انتخابات میں کانگریس کے ۲۹/امیدواروں نے جیت کا جشن منایا تھا۔ غور طلب پہلو یہ بھی ہے کہ اے آئی یو ڈی ایف نے پچھلی بار سولہ سیٹیں حاصل کی تھیں اب صرف دو تک محدود۔ ممکن ہے کہ مجلس اتحاد المسلمین سے اتحاد نے اس کا کھیل بگاڑا ہو۔ یو ڈی ایف کو پڑنے والے ووٹ کانگریس کو چلے گئے۔ یو ڈی ایف کا یہ زوال نوشتۂ دیوار ہے۔ فتوحات کے لیے قال بہت زیادہ معنیٰ نہیں رکھتا، حال کو بھی شریک سفر رکھنا ہی پڑتا ہے۔ جس تیزی کے ساتھ اس کا گراف گرا ہے، تصور میں بھی نہیں آتا۔

آسام میں بھاجپا اور بھی مستحکم ہوئی۔ اقتدار سنبھالنے کے لیے وہاں صرف ۶۴/سیٹیں درکار تھیں، مگر بسوا کی قیادت میں یرقانی جماعت ۱۲۶/میں سے ۸۲/نشستوں پر کامیاب۔

بقیہ تین صوبوں کے نتائج دیکھیے تو وہ بھی چشم کشا اور عبرت ناک۔ کیرالہ میں کمیونسٹ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ ۱۴۰/نشستوں والی اسمبلی میں یو ڈی ایف اور کانگریس اتحاد نے ۱۰۰/سے زیادہ سیٹیں حاصل کیں اور اقتدار کی راہ ہموار۔ تمل ناڈو کی ۲۳۴/نشستوں والی اسمبلی نے تاریخی نظارہ دیکھا۔ نئی سیاسی پارٹی ”ٹی وی کے“ کے سامنے ڈی ایم کے اور کانگریس اتحاد زبردست نقصان سے دوچار۔ اس نئی نویلی جماعت نے ۱۱۰/نشستیں حاصل کر کے سب کو چونکا دیا۔ حیرت ناک بات یہ ہے کہ تمل ناڈو کے وزیر اعلیٰ ایم کے اسٹالن ۱۹۹۶ء کے بعد پہلی بار شکست سے آشنا ہوئے۔ ۳۰/نشستوں والی پڈوچری میں این ڈی اے مزید توانا و مستحکم۔

جب سے بھاجپا اقتدار میں آئی ہے اس کا دائرۂ اثر بجلی کی رفتار سے بڑھا ہے۔ صرف بارہ برسوں میں زعفرانی رنگ اس سرعت سے پھیلا کہ ہندوستان کا نقشہ ہی یرقانی بن چکا۔ اپوزیشن کی روز افزوں ترقیٔ معکوس اور زوال کا یہ سلسلہ اگر یوں ہی جاری رہا تو بقیہ صوبے بھی اس کے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ نتیجہ کیا ہوگا، ملک آمریت اور انارکی کا ایک مجسمہ بن جائے گا۔ جمہوریت گوشۂ خمول میں منہ چھپائے بیٹھی ہوگی۔

……◆……

امریکہ اور ایران میں جنگ بندی کی آنکھ مچولی جاری ہے، مگر اس کے خاطر خواہ اثرات دور دور تک نظر ندارد۔ ایسا لگتا ہے کہ جنگ بند ہوئی ہی نہیں۔ دونوں طرف سے دھمکیوں کا ایک خوفناک تسلسل۔ درمیان میں ایسا لگا تھا کہ جنگ بندی کے سبب دنیا راحت کی سانس لے سکے گی، لیکن ایران اپنے موقف پر اٹل اور امریکہ اپنے مطالبات پر قائم۔ نتیجہ یہ کہ اسلام آباد میں ہونے والے مذاکرات ناکام و نامراد۔ بعد میں مفاہمت کی کافی کوششیں کی گئیں وہ بھی خواب پریشاں۔ آبنائے ہرمز سے وابستہ اس جنگ نے دنیا

کو گرداب بلا میں جھونک دیا ہے۔ امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ کے آئے دن ایسے بیانات کہ الامان والحفیظ!! ان کی حیثیت ایک عالمی مسخرہ کی سی ہوگئی۔ یہاں تک کہ امریکی ادارے ہی ان کی دماغی کیفیت کو حکمرانی کے لئے غیر صحت مند قرار دے رہے ہیں۔ ادھر عالمی خبر رساں ایجنسیوں کے مطابق ایران عرب ممالک پر وقتاً فوقتاً حملے کر رہا ہے۔ مگر ایران ان خبروں کی سختی سے تردید کر رہا ہے اور اس کو امریکہ اور اسرائیل کی سازش قرار دے رہا ہے۔ اس عجیب وغریب جنگ نے بین الاقوامی برادری کا چین وسکون چھین لیا۔ گرانی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ متوسط طبقہ گرتی ہوئی ساکھ سے اداس بیٹھا ہے۔ غریب طبقہ فاقہ کشی کے دہانے پر۔ دواؤں کی قلت بھی ہوش اڑانے میں مصروف۔

ایران خلیج پر دو ہزار جہاز اور ۲۰ رہزار ملاح پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کی صحت مسلسل گرتی جارہی ہے۔ ایران نے جہازوں کی آمد ورفت نہایت محدود کردی۔ امریکہ نے بین الاقوامی برادری سے اپیل کر ڈالی کہ سب مل کر اس بحران کا خاتمہ کریں اور آبنائے ہرمز پر پھنسے ہوئے جہازوں کو نکالنے میں ہماری مدد کریں۔ ایران کو سبق سکھانے کے لیے ایرانی بندرگاہوں پر بحری ناکہ بندی بھی جاری۔ امریکہ اپنے اس فیصلے کو فریڈم پراجیکٹ نام دیتا ہے۔ ایران کا دوٹوک جواب کہ آبنائے ہرمز ہماری مسلح افواج کے کنٹرول میں ہے۔ کوئی بھی غیر ملکی مسلح فوج اس کے قریب بھی نہ پھٹکے، ورنہ سنگین نتائج کے لیے تیار رہے۔

ایران اور امریکہ کی یہ نوک جھونک، یہ کشیدگی، یہ زبانی جنگ کہیں کسی بڑی جنگ کا پیش خیمہ ثابت نہ ہو۔ اقوام متحدہ اس مسئلے میں اپنا بہترین کردار ادا کر سکتا تھا، افسوس کہ یورپین ممالک کی مسلسل جانب داری نے اس کی شبیہ کو سخت نقصان پہونچایا۔ اس کی باتوں میں اب وہ دم خم نہیں رہا، جو جانبداری سے پہلے اس کی شناخت ہوا کرتا تھا۔

……✦……

حج: عشقِ حقیقی کا مظہر
اور انسانیت کی بقا کا ضامن!

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

الحمد للّٰہ و سلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

عاشقوں کے قافلے دیارِ محبوب کی طرف رواں دواں ہیں، جوں جوں ایامِ وصل قریب آرہے ہیں' اضطراب بڑھ رہا ہے اور دھڑکنیں تیز ہورہی ہیں۔ دنیا کے ہر خطے، رنگ ونسل اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے اہلِ ایمان' نداءِ ابراہیمی پر لبیک کہتے ہوئے مرکزِ وحدت کی طرف والہانہ دوڑ رہے ہیں، کچھ پیدل ہیں تو کچھ لاغر سواریوں پر،کوئی براستہ سمندر پہنچنے کی سعی میں ہے تو کوئی بذریعہ ہوائی جہاز، کسی نے پیٹ کاٹ کر آنہ آنہ جمع کر کے رختِ سفر کا انتظام کیا ہے تو کسی نے خون پسینہ بہا کر مطلوب تک پہنچنے کا تہیہ کر رکھا ہے، دل بیت اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم سے لب ریز ہیں تو زبانوں پر ''لبیک اللّٰہم لبیک'' کی صدائیں ہیں۔ معمارِ کعبہ' ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر تا حال اس گھر اور اس سے متعلقہ اشیاء اور کرداروں میں عشق کی خوشبو ایسی بسی ہے کہ دیگر عناصر پر غالب محسوس ہوتی ہے۔

آزر کے گھر توحید کے علم بردار کو پیدا کر کے حق تعالیٰ شانہ نے اس کے دل میں اپنا ایسا عشق بسایا کہ زندگی کے جس موڑ پر جو حکم دیا آنکھ بند کر کے اس پر سرِ تسلیم خم کیا اور دل کی توجہ لمحے بھر کے لیے بھی کسی دوسری جانب نہ گئی، بے آب وگیاہ صحرا میں لختِ جگر اور رفیقِ حیات کو تنہا چھوڑنا ہو یا جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنا، ترکِ وطن اور طویل اسفار ہوں یا سنگلاخ پہاڑوں کے درمیان مادی اسباب کے بغیر اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان گھر کی تعمیر، بادشاہِ وقت سے مناظرے ہوں یا وقت کے طاغوت کی بھڑکائی ہوئی محیر العقول آگ میں جانا، عقلِ انسانی اس کے پیمانۂ عشق کا اندازہ لگانے سے عاجز ہے:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اس عاشقِ صادق سے بیت اللہ کی تعمیر کروا کر حکم دیا گیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کرے، یہ حکم بجائے

خود عشق و عقل کا امتحان تھا، موقع پر نہ تو انسانوں کا مجمع تھا نہ ذرائعِ مواصلات، لیکن جب حکمِ اَذاں ہوا تو اللہ کے خلیل نے فوراً تعمیل کی، اس پاکیزہ و پُرخلوص پکار کی تاثیر کچھ ایسی تھی کہ تاحال عشاق اس کی طرف وارفتہ دوڑ رہے ہیں، اور ان شاءاللہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

الغرض بیت اللہ کے گوشے گوشے اور اِرد گرد کے علاقے میں اس پاکیزہ گھرانے کے جذبۂ عشق کی یادگاریں رکھ دی گئی ہیں، مقامِ ابراہیم ہو یا صفا و مروہ کے درمیان سعی، جمرات کی رمی ہو یا اس کے قریب مذبحِ اسماعیل، عرفات کا میدان ہو یا منیٰ کی وادی، سب اس عاشق گھرانے کے جذبۂ عشق کی ایسی یادگاریں ہیں جنہیں دیکھنا بھی عبادت قرار دے دیا گیا۔

حج کی عبادت' عشقِ الٰہی کی اِن یادگاروں سے جڑی ایک عاشقانہ عبادت ہے، دینِ اسلام دینِ فطرت ہے، اس نے فطرت کے ہر تقاضے کو اعتدال کے ساتھ پورا کرنے کا سامان بہم پہنچایا ہے، انسانی سرشت میں عشق و محبت کا جذبہ بھی رکھا گیا ہے، اگر اسے خالقِ انسانیت کی مرضیات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے فانی دنیا میں لگا دیا جائے تو یہ ناجائز عشق ٹھہرتا ہے، اور یہی جذبہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے حکم کی اتباع میں ہو تو عشقِ حقیقی اور باعثِ ثواب ٹھہرتا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔(البقرۃ:۱۶۵)

ترجمہ: ''اور جو مؤمن ہیں ان کو (صرف) اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے۔

(بیان القرآن: ۱/ ۱۱۵، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

بیت اللہ سے محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کا ہی تقاضا ہے، کامل مسلمان وہ ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور دین کی یادگاروں کی تعظیم اور محبت ہو، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔(الحج:۳۲)

ترجمہ: 'اور سن لو کہ جو شخص دینِ خداوندی کی ان (مذکورہ) یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا، تو ان کا یہ لحاظ رکھنا خدا تعالیٰ سے دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے۔ (بیان القرآن: ۲/ ۵۲۰، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

اصل مطلوب تو اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، یہ در و دیوار اور حجر و مقام مطلوب اصلی نہیں، لیکن ہم انسان فانی، ناقص اور محدود ہیں، اپنے جذبات کے اظہار میں محسوسات کے محتاج ہیں، انسان کو کسی سے عشق ہو تو وہ چاہتا ہے اسے دیکھے، اس کے پاس جائے، اس سے گفتگو کرے، اس کے در و دیوار کو چومے، اس کے گھر کے چکر لگائے، کوچہ و بازار گھومے، اور وصل نصیب ہو جائے تو اس سے لپٹ کر روئے، اس کے قدم اور ہاتھ چومے:

أمرّ على الديارِ ديارِ ليلى
أقبّل ذا الجدار و ذا الجدار
و ما حبّ الديار شغفن قلبي
و لٰكن حبّ من سكن الديار

انسان کو جب اللہ تعالیٰ سے محبت کا حکم دیا گیا تو انسانی فطرت کا تقاضا تھا کہ اسے عشقِ خداوندی کی کچھ یادگاریں بھی دی جاتیں، جن کی طرف سفر کرکے، ان کے چکر لگا کر، وہاں کے در و دیوار کو چوم کر، ان سے لپٹ کر اپنے جذبۂ عشق کی تسکین کرتا، اور ان مقاصد کے حصول کے دوران سچے عاشق کی طرح، شاہانہ طمطراق اور رئیسانہ وضع کو ترک کرتا، سفر کی مشقتیں برداشت کرکے پراگندہ ہیئت محبوب کے در پر جا پہنچتا کہ اس کی قربانیاں دیکھ کر محبوب کو رحم آ جائے، اللہ تعالیٰ نے ان کیفیات کے حصول اور محبت کے جذبات کی تسکین کے لیے حج کی عاشقانہ عبادت اور بیت اللہ اور اس کے اِردگرد عشقِ الٰہی کی یہ یادگاریں مقرر فرما دیں۔

دُور اُفتادہ علاقوں سے بیت اللہ تک سفر، فاخرانہ لباس چھوڑ کر دو چادریں زیبِ تن کرنا، خوشبو کے استعمال سے گریز، میلا کچیلا بدن، پراگندہ حالت، بال ناخن نہ کاٹنا، سخت سردی و گرمی کے باوجود سر نہ ڈھانپنا، اپنی سپردگی کا اظہار بآوازِ بلند تلبیہ کی صداؤں سے کرنا، دیارِ محبوب میں دیوانہ وار چکر لگانا، کبھی دوڑنا، کبھی سربسجود ہوکر محبوب کو منانے کی کوشش کرنا، کبھی منیٰ کی وادی میں پڑاؤ ڈالنا تو کبھی سخت گرمی میں عرفہ کے میدان میں محبوب کی معرفت کی راہیں تلاش کرنا، مزدلفہ میں سخت سردی میں کھلے آسمان تلے رات گزارنا اور محبوب کے دشمن کو کنکریاں مارنا یہ سب عاشقانہ ادائیں ہی تو ہیں، یوں تسکین نہیں ہوتی تو بالآخر اپنی جان کی قربانی کے جذبے سے سرشار ہوکر جانور کی قربانی کے لیے تیار ہوجاتا ہے، سر کے بال منڈوا کر دوبارہ محبوب کے گھر پہنچ کر چکر لگانا شروع کرتا ہے، درِ محبوب سے جا چمٹتا ہے، بابِ کعبہ پر گریہ وزاری کرتا ہے، حجرِ اسود کو بوسہ دیتا ہے اور ملتزم سے سینہ چمٹا کر بلک بلک کر روتا ہے، یہاں اللہ تعالیٰ اُسے محبوب کی دست بوسی و قدم بوسی کی لذت ولطف عطا فرماتا ہے۔

الغرض حاجی اس پاکیزہ سرزمین پر پہلا قدم رکھتے ہی بےخودی کے عالم میں محو ہوجاتا ہے، پھر اپنی ذات اور شان کی فکر سے بھی اسے کراہت محسوس ہوتی ہے، درویش ہو یا بادشاہ، وقت کا ولی ہو یا گناہ گار، اس مقام پر جتنی فنائیت بڑھتی ہے اتنا قرب بڑھتا جاتا ہے۔

عشق کا پہلا درس: فنائیت اور اطاعتِ کامل

حج کی پوری عبادت میں قدم قدم پر عقل کے بت توڑے گئے ہیں، فنائیت اور اطاعتِ کامل کا درس دیا گیا ہے، یہ سکھایا گیا کہ عاشقِ صادق وہی ہوتا ہے جو محبوب کی چاہت اور اشارۂ ابرو پر جان قربان کرنے کے لیے تیار رہے، خواہ اس کا حکم سمجھ میں آئے یا نہیں۔ حرم شریف میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر قرار دیا گیا ہے، لیکن جب اسے حکم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کو چھوڑ کر میدانِ عرفات میں نمازیں ادا کرنی ہیں تو سخت گرمی میں وہاں پہنچ جاتا ہے، جہاں سال کے بقیہ ۳۵۳ دنوں میں کوئی عبادت انجام نہیں دی جاتی۔ شیطان جو نظر نہیں آتا اسے چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے مارنے کا حکم دیا گیا، اسی میں شیطان کے لیے شدید تکلیف اور رسوائی ہے۔ منیٰ میں قربانی کا خون بہانے میں بظاہر حاجی کا فائدہ نہیں ہے، لیکن افضل حج اسے قرار دیا گیا جس میں قربانی بھی ہو، اور جتنی زیادہ ہو اتنی فضیلت ہے۔ عقل کے پیمانے پر یہ احکام نہیں اُترتے، ہاں! عشق کے پیمانے پر پورے اُترتے ہیں کہ اسلام نام ہی سرِ تسلیم خم کرنے کا ہے:

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

عشق کا دوسرا درس: قربانی اور اس کی حقیقت

حج میں دوسرا اہم پہلو قربانی ہے، پورے سفر میں قدم قدم پر قربانیاں ہیں، کہیں مال کی قربانی، کہیں خواہش کی قربانی، کہیں نفس اور اَنا کی قربانی، رفقاءِ سفر کی خاطر اپنی رائے اور راحت کی قربانی، اور انجام کار ''یوم النحر'' میں اپنی جان قربان کرنے کے جذبے کے پیشِ نظر جانور کی قربانی! قربانی حج کی ہو یا عیدالاضحیٰ کی، اس میں جذبۂ ایثار اور سپردگی کے کمال کی تربیت دی گئی ہے۔ جانور کی قربانی درحقیقت انسانی جان کی قربانی کا بدل ہے، اللہ تعالیٰ نے ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی قربانی قبول فرما کر جانور کی قربانی کو اس کا بدل قرار دے دیا:

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ۔ (الصّٰفّٰت: ۱۰۷)

ترجمہ: اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا۔ (بیان القرآن: ۳/ ۲۵۸، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

لہٰذا قربانی کی رُوح اور حقیقت جان نثاری و جاں سپاری کا جذبہ ہے، انسان ہر وقت یہ سوچے کہ یہ جان اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، مجھے ہر وقت اس کی قربانی کے لیے تیار رہنا ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہوا کہ اس

نے اپنی رحمت سے اسے جانور کی قربانی سے تبدیل فرما دیا، اسی جذبے کی تجدید کے لیے اللہ تعالیٰ نے سنتِ ابراہیمی کو ہمارے لیے سالانہ عبادت قرار دے دیا۔

جذبۂ عشق کا نتیجہ

حج کی عبادت میں جذبۂ عشق وفنائیت اور ایثار وقربانی کا نتیجہ عالم گیر اتحاد و یگانگت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، پوری دنیا سے مختلف طبقات اور رنگ ونسل کے لوگ اپنے درمیان فرق مٹا کر جمع ہوتے ہیں، بادشاہ ہو یا فقیر، گناہ گار ہو یا اللہ کا ولی، ہر ایک کا لباس یکساں ہے، ہر ایک نے میدانوں، وادیوں اور اللہ کے گھر کے چکر لگانے ہیں، اس کی برکت سے ہر ایک کے دل میں دوسرے کے لیے برداشت اور احترام کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، بسا اوقات عفو ودرگزر کے وہ مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں کہ کہیں اور ان کا تصور بھی مشکل ہوتا ہے، یہ اسی جذبۂ عشق ومحبت وفنائیت کے نتائج ہیں۔ دوسروں کو معاف کرنے اور تواضع اختیار کرنے میں اللہ تعالیٰ نے عجیب تاثیر رکھی ہے، بندہ خدا کی خاطر جتنا جھکتا ہے، اتنا ہی بلند ہوتا جاتا ہے، صحیح مسلم میں ہے:

ما زاد الله عبدًا بعفو إلا عزًّا، و ما تواضع أحد لله إلا رفعه الله۔

یعنی اللہ تعالیٰ دوسروں کو معاف کرنے کے نتیجے میں بندے کی عزت ہی بڑھاتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرے اللہ تعالیٰ اسے ضرور بلند فرماتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے خود کو فنا کر دیتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ بقا عطا فرما دیتے ہیں:

فنا فی اللہ کی تہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

’’بیت اللہ‘‘ انسانیت کی بقا کا ضامن

فنائیت کی تہ میں انسانیت کی بقا کے راز کا درس‘ سالانہ بنیاد پر اُس گھر میں جمع کر کے دیا جاتا ہے، جس کے مبارک وجود میں انسانیت کی بقا اور اس کا قیام مضمر رکھا گیا ہے، قرآنِ مجید میں ہے:

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ (المائدۃ:۹۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے لیے قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا۔ (بیان القرآن: ۱/۵۱۷، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

یعنی یہ گھر انسانوں اور ان کے دینی و دنیاوی منافع کی بقا اور قیام کا ذریعہ ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (آل عمران:۹۶)

ترجمہ: یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو مکہ میں ہے، جس کی حالت یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے اور جہاں بھر کے لوگوں کا راہنما ہے۔

(بیان القرآن: ۱/ ۲۶۲، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

یعنی انسانوں کی ہدایت کے لیے سب سے پہلے یہ بابرکت گھر بنایا گیا، جب کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی تخلیق کے وقت سب سے پہلے وجود میں آنے والا حصہ یہی بقعۂ مبارکہ ہے، پھر انسان کے دنیا میں بسنے سے پہلے ہی فرشتوں کے ذریعے اس گھر کی تعمیر اور بنیاد رکھوائی گئی، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیاء کرام علیہم السلام کو اس کے حج اور اس کی طرف رخ کر کے عبادت کا حکم دیا گیا، انسانیت کی ابتدا سے تا قیامت انسانوں کی روحانی ضروریات کا سامان بھی یہاں سے ہوتا رہے گا اور دنیاوی ضروریات کا بھی، فرمانِ خداوندی ہے:

أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبَىٰٓ إِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (القصص:۵۷)

ترجمہ: کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس (یعنی ہماری قدرت اور خدائی) سے کھانے کو ملتے ہیں، لیکن ان میں اکثر لوگ (اس کو) نہیں جانتے۔ (بیان القرآن: ۳/ ۹۶، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا۔ (البقرة:۱۲۵)

ترجمہ: اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے کہ جس وقت ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور (مقام) امن (ہمیشہ سے) مقرر رکھا۔

چناں چہ اس گھر میں ایسی مقناطیسی کشش رکھ دی گئی ہے کہ پورا سال تسلسل کے ساتھ اطرافِ عالم کے لوگ، دنیا جہاں کا کاروبار اور ہر نوع کی مصنوعات اس کی طرف کھچی چلی آتی ہیں، بالخصوص اشہرِ حُرم کی اِن پاکیزہ ساعتوں میں یہ مقام منتخب قدسی نفوس کی جلوہ گاہ ہوتا ہے، ان کی برکت سے اُمت کی مغفرت کے فیصلے ہوتے ہیں، اور خدائے دو جہاں کی رحمتیں متوجہ ہوتی ہیں، اس گھر کی یہ رونقیں اور

ذکراللہ کی یہ فضا روئے زمین کی بقا کی ضامن ہیں۔ احادیثِ مبارکہ میں بیت اللہ کی تخریب و ویرانی کو قیامت کی آخری علامت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، گویا بیت اللہ کی بقا ذکراللہ کی بقا کا ذریعہ اور ذکراللہ انسانیت کی بقا کا ذریعہ ہے:

دنیا کے بت کدے میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

حج کا پیغام اُمتِ مسلمہ کے نام

ہر سال عشق ومحبت کے پروانوں کا بیت اللہ میں اجتماع رکھ کر جہاں انہیں اپنی بقا وقیام کے ذریعے سے جوڑا جاتا ہے، وہیں حج کے اس عظیم الشان عالم گیر اجتماع میں اُمتِ مسلمہ کی عشق وفنائیت اور ایثار و قربانی کے پہلو سے تربیت کی جاتی ہے کہ جیسے حاجی عشقِ حقیقی کے جذبے میں خود کو فنا کر دیتا ہے، اور حج میں قدم قدم پر ایک دوسرے کے لیے ایثار اور قربانی دلوائی جاتی ہے، اسی طرح پوری اُمتِ مسلمہ اگر ہر وقت اللہ تعالیٰ کے عشقِ حقیقی میں ڈوب کر خود کو فنا کر دے، ہر وقت دلوں میں ایک دوسرے کے لیے ایثار وقربانی کا جذبہ بیدار رہے، دوسروں کے ساتھ تواضع کا برتاؤ ہو، مختلف طبقات کو ساتھ لے کر چلنے کا ہنر پیدا ہو، رفقاء وشرکاء کی رائے سننے، سمجھنے اور ضرورت ہو تو قبول کرنے کا ملکہ پیدا ہو، تو آپس کی رنجشیں اور مشکلات ختم ہو جائیں اور زندگی کے مراحل آسان ہو جائیں، دنیا کی ترقیات بھی ہوں، اور روحانیت کے مدارج بھی طے ہوں، کیا ہی اچھا ہو کہ مسلمانانِ عالم حج کی عبادت سے یہ دروسِ عبرت حاصل کریں، اور انفرادی و اجتماعی زندگی کو ان خطوط پر استوار کرلیں۔

خصوصاً ہمارا ملک اِس وقت جن مخاصمات ومجادلات اور داخلی انتشار سے گزر رہا ہے، حج کی عبادت ان دونوں پہلوؤں سے ہمیں متوجہ کر رہی ہے کہ تمام سیاسی و مذہبی جماعتیں اور مختلف فریق ملک وملت کے مفاد میں ایک درست مقصد پر جمع ہو جائیں، اپنی اَنا، شہرت، رائے اور مفادات کی قربانی دیں، دوسروں کے ساتھ چلنے اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا ظرف پیدا کریں، جہاں حق کے لیے جان کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے، وہاں کم از کم اپنی رائے اور ذاتی یا وقتی مفادات کی قربانی کوئی بڑی چیز نہیں ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ اسی میں ملک وملت کا مفاد ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ اس میں ملک کی ترقی واستحکام بھی مضمر ہے۔

اپنی معروضات اس پر تاثیر دعا پر ختم کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام میں مانگی تھی اور حجاجِ کرام میدانِ عرفہ میں اس میں مشغول ہوں گے:

اَللّٰہُمَّ إِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِيْ وَ تَرٰی مَکَانِيْ وَ تَعْلَمُ سِرِّيْ وَ عَلَانِيَتِيْ لَايَخْفٰی عَلَيْکَ شَيْءٌ مِّنْ اَمْرِيْ وَ اَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِهٖ، اَسْأَلُکَ مَسْأَلَةَ الْمِسْکِيْنِ و اَبْتَهِلُ إِلَيْکَ ابْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ وَ اَدْعُوْکَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ وَ دُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُهٗ وَ فَاضَتْ لَکَ عَبْرَتُهٗ وَ ذَلَّ جَسَدُهٗ وَ رَغِمَ لَکَ اَنْفُهٗ ، اَللّٰہُمَّ لَاتَجْعَلْنِيْ بِدُعائِکَ شَقِيًّا وَّ کُنْ بِيْ رَؤُوْفًا رَّحِيْمًا يَّا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَ يَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ!

ترجمہ: اے اللہ! تو میری بات سنتا ہے اور میں جہاں جس حال میں ہوں تو اس کو دیکھتا ہے، اور میرے ظاہر و باطن سے تو باخبر ہے، تجھ سے میری کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں، میں دکھی ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، ترساں ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقراری ہوں، تجھ سے سوال کرتا ہوں، جیسے کوئی عاجز مسکین بندہ سوال کرتا ہے، تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں، جیسے گناہ گار ذلیل وخوار گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے دعا کرتا ہوں، جیسے کوئی خوف زدہ آفت رسیدہ دعا کرتا ہے، اور اس بندے کی طرح مانگتا ہوں جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو اور آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کیے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔

اے اللہ! تو مجھے اس دعا مانگنے میں ناکام و نامراد نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان اور رحیم ہو جا، اے ان سب سے بہتر و برتر جن سے مانگنے والے مانگتے ہیں اور جو مانگنے والوں کو دیتے ہیں۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقهٖ سیدنا محمد

و علٰی آلهٖ و صحبهٖ أجمعین

……◆……

قربانی کیجیے! مگر گناہ کے ساتھ نہیں

مولانا عمران عیسیٰ

ماہِ ذوالحجہ کی آمد آمد ہے، بلکہ جس وقت رسالہ آپ کے ہاتھ میں آئے گا تو ماہِ مبارک شروع ہو چکا ہوگا۔ اس ماہ کی خاص عبادت بیت اللہ کا حج ہے، بعض فرزندانِ توحید حرم پہنچ چکے اور بعض خوش نصیب کشاں کشاں پہنچ رہے ہیں۔ یہ سب حضرات از روئے حدیث' اُمت کی طرف سے وفد بن کر میدانِ عرفات میں اللہ کو منانے پہنچ رہے ہیں۔

حج کے علاوہ اس ماہ کی ایک بڑی عبادت عیدالاضحیٰ ہے، جس کو عرف میں عیدِ قربان بھی کہتے ہیں۔

قربانی قُرب سے ہے، بمعنی اللہ کے قریب ہونا، ویسے تو شریعت کے تمام ہی احکام اللہ تک پہنچنے کی سیڑھیاں ہیں، قربانی ان میں سے ایک اہم عمل ہے، جو کہ سنتِ ابراہیمی ہے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم پر اپنے لختِ جگر کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے، قلم سے لکھنا اور پڑھنے والے کا پڑھنا آسان، مگر کون باپ ہوگا جو یہ کام کرنے پر تیار ہو جائے۔ جی ہاں! زمین و آسمان اور منیٰ کی وادی گواہ ہے کہ ایک بوڑھا باپ کس طرح اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرنے پر تیار ہو گیا۔ اللہ کا کرم بھی دیکھیے، صرف حوالگی مطلوب تھی، ورنہ بدلہ میں جنت سے مینڈھا بھیج کر رہتی دنیا تک کی امتِ مسلمہ کو یہ بتا دیا کہ اللہ کے نام پر جب بھی کوئی چیز ''قربان'' کرنے پر آمادہ ہو گے کبھی پچھتاوا نہ ہوگا، پھر یہ جذبہ ایسا قبول ہوا کہ آخری نبی کی امت کے لیے اس کو شعار بنا دیا گیا، بہ ظاہر تو جانور ذبح کیا جاتا ہے، اس کے گوشت سے لطف اندوز ہوا جاتا ہے، مگر درحقیقت اس ایک حکم میں کئی طرح کے پیغام و سبق دیے گئے، اسی لیے فرمایا کہ عیدالاضحیٰ کے دن اس کا کوئی عمل جانور کے خون بہانے سے افضل نہیں۔ (جامع ترمذی، حدیث: ۱۴۹۳)

مگر ٹھہریے! شیطان ہمارا ازلی دشمن ہے، وہ اگر مسلمان کو عمل سے ہٹا نہیں پاتا تو یا اس کی نیت پر حملہ کرتا ہے، ورنہ کم از کم عمل میں سوراخ کرا دیتا ہے، قربانی کے سلسلہ میں دو اہم باتوں کی طرف توجہ دلانی ہے:

۱- کسی بھی عمل کے اللہ کی بارگاہ میں قبول ہونے کے لیے اخلاص شرط ہے۔ مشہور حدیث عام طور پر زبان زد بھی ہے: ''إنما الأعمال بالنيات'' تبلیغی جماعت کے ہمارے بزرگ حضرت مفتی زین

العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اخلاص کا مفہوم ''وجہِ عمل یا محرکِ عمل'' سے بیان کیا کرتے تھے، یعنی کسی عمل کو کیوں کیا جا رہا ہے؟ اس عمل کا محرک و باعث باری تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا کوئی بھی غرض ہو تو نیت کے اس کھوٹ کو شرک تک سے تعبیر کیا گیا، پھر یہی نہیں، قربانی کے معاملہ میں تو سورۂ حج آیت: ۷۳ میں واضح فرمایا: لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

ترجمہ: اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے، نہ کہ خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

ملاحظہ: (یہاں تقویٰ سے مراد مفسرین اخلاص لیتے ہیں)

قربانی کے معاملہ میں ہماری نیت کہاں پھسلتی ہے، جانور عمدہ، فربہ اور مہنگا لائے، تاکہ محلے میں شہرت ہو، دور دور سے لوگ میرے جانور کو دیکھنے آئیں، پتہ چلے کہ یہ فلاں سخی کے جانور ہیں۔ واہ واہ تو مل جائے گی، مگر ثواب اکارت ہوا۔ اس لیے بہت احتیاط کے ساتھ نیت پر پہرا دینے کی ضرورت ہے۔ نیت کی یہ خرابی سارے اجر کو ضائع کر دے گی۔ دوسری چیز یہ ہے کہ قربانی ہے تو ان ایام کا افضل ترین عمل مگر مسلمان کو اپنے کسی عمل سے تکلیف پہنچانا، اس بارے میں اسلام بہت حساس ہے، حتیٰ کہ ایسی جگہ فرض نماز کو بھی منع کیا گیا، جہاں مسلمانوں کی عام گزرگاہ ہونے کی وجہ سے تکلیف کا اندیشہ ہو۔ (سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۳۴۷)

ایک عورت کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا کہ بہت نمازی پرہیزگار ہے، مگر اس کی وجہ سے پڑوسی اذیت میں رہتے ہیں، فرمایا: یہ عورت دوزخی ہے۔ (مسند احمد، روایت ابوہریرہؓ)

اور ایک شخص کی صرف اس بات پر مغفرت ہوگئی کہ اس نے رکاوٹ بننے والی ایک ٹہنی کو کاٹ دیا۔ (صحیح مسلم، حدیث: ۹۱۴)

اس سے اندازہ لگائیے کہ کیا قربانی کا افضل ترین عمل ہمیں اجازت دے گا کہ سڑک روک کر جانور کھڑے کیے جائیں، عید کے دن آلائشیں ٹھکانے لگائے بغیر کلیجی کھانے میں مشغول ہو جائیں، جانور ذبح کر کے خون کو گٹر لائن میں گرا دیا جائے، خواہ کچھ عرصے بعد نکاسی کا نظام درہم برہم ہو جائے، یا ان جیسی دیگر صورتیں۔ اس لیے قربانی کے اس عظیم عمل کو ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا مصداق نہ بننے دیا جائے۔

ہماری کم قسمتی کہ ہمارے یہاں بلدیاتی نظام یا اس نظام کو نافذ کرنے والے ادارے کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے ہمارے لیے گو یا رکاوٹ کھڑی نہیں ہوتی، لیکن کیا یہ بات ہماری اس کوتاہی کے لیے عذر بن سکتی ہے؟ ہرگز نہیں! اس لیے نیت کیجیے، اس عید قربان پر اپنی اس خواہش کو قربان کریں گے اور اس اہم عبادت کے ساتھ ایذاء مسلم کے گناہ کو شامل نہیں ہونے دیں گے۔

......◆......

میت کے گھر کھانے کا اہتمام

عصرِ حاضر کے تناظر میں

مفتی فیاض احمد قاسمی

موت ایک یقینی حقیقت ہے اور اسلام نے اس موقع پر صبر، سکون، سادگی اور اخلاص کی تعلیم دی ہے۔ تعزیت کا مقصد دل جوئی، تسلی اور غم گساری ہے، نہ کہ اظہارِ نمود و نمائش اور تکلف۔ لیکن عصرِ حاضر میں اکثر علاقوں میں یہ رجحان عام ہوتا جا رہا ہے کہ میت کے اہلِ خانہ یا رشتہ دار جنازہ، تعزیت اور زیارت کے لیے آنے والوں کی خاطر بڑے پیمانے پر کھانے کا انتظام کرتے ہیں؛ کبھی اپنے خرچ سے، کبھی قرض لے کر اور بعض اوقات میت کے ترکہ سے۔ مرد و خواتین اور بچوں کا ازدحام، کھانے پر اصرار اور اجتماعی ضیافت کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ یہ مناظر شادی بیاہ کی تقریبات سے مشابہ دکھائی دینے لگتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں ہم اس رواج کا شرعی حکم قرآن و حدیث، فقہِ حنفی کے اصول اور معتبر کتبِ فتاویٰ کی روشنی میں تفصیلاً بیان کریں گے اور موجودہ عرف و عادات کے تناظر میں رہنمائی پیش کریں گے۔

مسئلے کا تعارف اور معاشرتی پس منظر

برِ صغیر کے بعض علاقوں میں تعزیت کو ضیافت سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اہلِ میت پر نفسیاتی دباؤ ہوتا ہے کہ اگر کھانا نہ کھلایا تو ''کمی'' رہ گئی؛ نتیجتاً کمزور گھرانے بھی قرض لے کر انتظام کرتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل نہ صرف اہلِ میت کے لیے مشقت اور تکلیف کا باعث بنتا ہے، بلکہ شریعت کی اس روح کے خلاف بھی ہے جو مصیبت کے وقت تخفیف، تعاون اور سادگی کی تعلیم دیتی ہے۔

لہٰذا موضوع کی حساسیت کے پیشِ نظر مجموعی طور پر اس کے تین حصے کیے جا رہے ہیں، تا کہ مسئلہ سمجھنے میں دشواری نہ ہو اور حکم شرعی واضح ہو جائے:

۱- میت کے گھر والوں یا قریبی رشتہ داروں کا اس غم کے موقع پر خود اپنے اہلِ خانہ و اعزہ کے لیے کھانا بنانا۔

۲-تعزیت اور تکفین وتدفین وغیرہ میں شریک ہونے والے قریبی یا سسرالی رشتہ دار یا انتہائی مخلص دوست واحباب یا دور دراز سے آئے ہوئے رشتہ دار یا عام لوگ جو میت کے یہاں شب گزاری کرنے والے نہ ہوں، لیکن انہیں انتظاماً یا مصلحتاً یا مجبوراً ٹھہرنا پڑے، ان کے لیے اہلِ میت یا رشتہ داروں کی جانب سے کھانے کا انتظام کرنا۔

۳-شریک ہونے والے قریب وبعید کے خاص وعام لوگ جو اسی دن واپس لوٹ جائیں گے؛ ان کے لیے معاشرتی نظام یا رواج کے زیرِ اثر اپنی رقم سے یا قرض لے کر اہلِ میت یا رشتہ داروں یا اہلِ محلہ کا باضابطہ کھانے کا انتظام کرنا اور لوگوں کا اس کھانے میں بلا جھجک شریک ہونا۔

اسلامی تعلیم اور روحِ شریعت

۱-اسلام نے وفات کے موقع پر ہمدردی، تسلی اور تعاون کی تعلیم دی ہے، نہ کہ غم زدہ گھرانے پر بوجھ ڈالنے کی، لہٰذا جس گھر میں میت ہوجائے ان کے ہمسایوں، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے لیے مستحب بلکہ مسنون اور باعثِ اجر وثواب یہ ہے کہ میت کے گھر والوں کے لیے اس دن (دو وقت) کے کھانے کا انتظام کریں اور خود ساتھ بیٹھ کر، اصرار کر کے اُن کو کھلائیں اور ضرورت ہو تو ان دو وقتوں سے زائد دنوں میں بھی کھانا کھلائیں۔ اہلِ میت کو یہ کھانا کھلانا اس وجہ سے نہیں کہ میت کے گھر میں یا میت کے گھر والوں کے لیے کھانا پکانا ممنوع ہے؛ بلکہ اس وجہ سے ہو کہ غم وحزن اور تکفین وتدفین کی مشغولیت کی وجہ سے ان کو کھانا پکانے کا موقع نہیں ملے گا۔ اس کے برعکس اگر میت کے گھر والے اپنی سہولت کے مطابق خود اپنے اور اعزہ کے لیے کھانا بنائیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور نہ ہی اُسے خلافِ غم وحزن یا معیوب سمجھا جائے گا۔

جب جنگ موتہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا: ”اصْنَعُوْا لِآلِ جَعْفَرَ طَعَامًا، فَقَدْ اَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ“ کہ ”جعفرؓ کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو، اس لیے کہ ان کو ایسا امر لاحق ہوا ہے جس نے انہیں مشغول کر دیا ہے (یعنی جعفرؓ کی شہادت کی خبر سن کر وہ صدمہ اور رنج میں ہیں)۔“

اسی طرح صحیح بخاری ومسلم میں ہے:

”عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهَا كَانَتْ إِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ مِنْ أَہْلِهَا، فَاجْتَمَعَ لِذٰلِكَ النِّسَاءُ، ثُمَّ تَفَرَّقْنَ إِلَّا أَہْلَهَا وَ خَاصَّتَهَا، أَمَرَتْ بِبُرْمَةٍ مِنْ تَلْبِيْنَةٍ

فَطُبِخَتْ، ثُمَّ صُنِعَ ثَرِيْدٌ فَصُبَّتِ التَّلْبِينَةُ عَلَيْهَا، ثُمَّ قَالَتْ: كُلْنَ مِنْهَا، فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: التَّلْبِيْنَةُ مُجِمَّةٌ لِفُؤَادِ الْمَرِيْضِ، تَذْهَبُ بِبَعْضِ الحُزْنِ۔'' (کتاب الطب، باب التلبینۃ)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب کسی گھر میں کسی کی وفات ہوجاتی اور اس کی وجہ سے عورتیں جمع ہوتیں اور پھر وہ چلی جاتیں، صرف گھر والے اور خاص خاص عورتیں رہ جاتیں تو آپ ہانڈی میں ''تلبینہ'' پکانے کا حکم دیتیں، وہ پکایا جاتا، پھر ثرید بنایا جاتا اور تلبینہ اس پر ڈالا جاتا، پھر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں کہ اسے کھاؤ؛ کیوں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے: ''تلبینہ مریض کے دل کو تسکین دیتا ہے اور اس کا غم دور کرتا ہے۔

اس حدیث میں جہاں میت کے اہلِ خانہ کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ کھانا بنوانے کا ثبوت ہے، وہیں یہ بھی واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے میت کے گھر آئی ہوئی سبھی عام عورتوں کے لیے کھانا نہیں بنوایا، بلکہ ان کے چلے جانے کا انتظار کرتیں اور جو خاص قریبی عورتیں رہ جاتیں ان کے لیے مع اہلِ میت کے کھانے کا اہتمام کرواتیں۔ ''فتاویٰ شامی'' میں ہے:

(قوله: وباتخاذ طعام لهم) قال في الفتح: ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم، لقوله صلى الله عليه وسلم: ''اصنعوا لآل جعفر طعاماً فقد جاءهم ما يشغلهم۔'' حسنه الترمذي وصححه الحاكم؛ ولأنهٗ بِرٌّ ومعروف، ويلح عليهم في الأكل؛ لأن الحزن يمنعهم من ذٰلك فيضعفون۔

۲-تعزیت اور تکفین وتدفین کے لیے شریک ہونے والے افراد خواہ مرد وعورت ہوں یا جوان، بوڑھے یا بچے ہوں؛ ان کے لیے فوتگی کے کھانے میں شرکت اور عدمِ شرکت کو دوشقوں میں کرکے اس طرح تفصیل سے سمجھیں کہ:

(الف) گاؤں دیہات جہاں باہر سے آنے والوں کے لیے نہ کوئی ہوٹل نہ دکان وغیرہ، نہ کھانے پینے کی کوئی سہولت دستیاب ہو؛ بلکہ وہاں صرف کسی کے گھر سے مانگ کر ہی کھایا جاسکتا ہے یا پھر بھوکا رہنا پڑے یا اگر اس علاقے میں آنے والے شخص کے رشتہ دار ہوں تو ان کے گھر کھائے، ورنہ بھوکا رہے؛ تو ایسے دیہاتوں میں فوتگی کے موقع پر دور دراز کے علاقوں سے جنازے میں شرکت کے لیے آئے ہوئے

لوگوں کے لیے عدم سہولیات کے پیشِ نظر اہلِ میت یا رشتہ دار یا پڑوسی یا محلے والوں کی طرف سے کھانا پکانا اور کھلانا جائز ہے؛ خواہ وہ رکنے والے ہوں یا واپس لوٹ جانے والے ہوں۔

(ب) وہ علاقہ جہاں کھانے پینے کی سہولت میسر ہو، مگر جنازہ میں شرکت کے لیے آنے والے میت کے قریبی رشتہ دار یا احباب ہوں جو دور دراز کے علاقوں اور مختلف شہروں سے آئے ہوں اور وہ فوراً واپس نہیں جا سکتے اور میت سے خصوصی تعلق و رشتہ داری کی وجہ سے ان کا فوراً واپس چلے جانا مناسب بھی نہ ہو اور انھیں مجبوراً رک جانا پڑے، تو ان کے لیے بھی بہتر یہی ہے کہ وہ فوتگی کے کھانے سے گریز کریں، لیکن اگر چاہیں تو شریک بھی ہو سکتے ہیں؛ ان کے لیے کوئی کراہت نہیں ہے۔

''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے:

ويَحِلُ (الطعام) للذين يطولُ مقامهم عندهٗ و للذي يَجِيء من مكان بعيدٍ يستوي فيه الأغنياء والفقراء ولا يجوز للذي لا يطول مسافته ولا مقامه۔

ترجمہ: یہ کھانا ان لوگوں کے لیے جائز ہے جو دیر تک ٹھہرنے والے ہوں اور جو دور دراز علاقہ سے آئے ہوئے ہوں، چاہے وہ مالدار ہوں یا غریب۔ البتہ ان کے لیے درست نہیں جو نہ ٹھہرنے والے ہوں اور نہ ہی دور علاقہ سے آئے ہوں۔

اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا تعامل

۳-قرض لے کر کھانے کا انتظام کرنے سے تو بالکلیہ اجتناب ضروری ہے اور بلا قرض کے بھی مکروہ ہے اور جانبین یعنی اہلِ میت اور شرکت کرنے والے قریب و بعید کے عام لوگ، جنھیں مجبوراً ٹھہرنا نہ پڑے ؛ دونوں کو اس سے بچنا لازم ہے۔ ان کے لیے کھانا بنوانا اور ایسے لوگوں کا کھانے میں شریک ہونا یا زبردستی انھیں شریک کرنا شرعاً درست نہیں؛ بلکہ قابلِ ترکِ عمل ہے، معاشرہ کے دینی طبقہ اور اہلِ علم وائمہ و مصلحین کو یہ رواج ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ اگر اس پر نکیر نہ کی گئی اور اسے ختم کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو ''سنتِ سیئہ'' کے ارتکاب کی بنیاد پر جو لوگ جس درجے میں ذمہ دار ہیں اس کے مطابق گنہ گار رہوں گے۔

مَنْ سَنَّ فی الإسلام سنةً سيئةً كان عليه وِزرُها و وِزرُ مَن عمِل بها، الخ

(مسلم، کتاب الزکاۃ)

ترجمہ: جو شخص دینی امور اور اسلامی معاملات میں کسی غلط یا برے طریقہ کو قائم کرے گا، تو اس کا گناہ اس پر لازم ہوگا اور جو اس کے ایجاد کردہ طریقہ پر عمل کرے گا تو اس کا بھی گناہ اُس قائم کرنے

والے شخص کو ہوگا۔

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنَّا نَعُدُّ الِاجْتِمَاعَ إِلَى اَہْلِ الْمَيِّتِ وَصَنِيْعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهٖ مِنَ النِّيَاحَةِ۔

(سنن ابن ماجۃ، کتاب الجنائز)

ترجمہ: ہم (صحابہؓ) میت کے گھر جمع ہونے اور تدفین کے بعد وہاں کھانا تیار کرنے کو نوحہ (ناجائز رسم) میں شمار کرتے تھے۔

گویا صحابہؓ کے نزدیک میت کے گھر کھانے کا اہتمام کرنا ناپسندیدہ اور جاہلیت کی رسم کے مشابہ تھا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ (موطا امام مالک، ابن ماجۃ)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ خود نقصان اُٹھاؤ، نہ دوسرے کو پہنچاؤ۔''

فقہی اصول اور تصریحاتِ ائمہ

فقہی قاعدہ ہے: ''الضَّرَرُ يُزَالُ'' (ضرر کو دور کیا جاتا ہے)، لہٰذا میت کے گھر والوں پر مالی بوجھ ڈالنا، قرض میں ڈالنا، یا معاشرتی دباؤ کے تحت کھانے کا انتظام کروانا صریح ضرر ہے۔ اس سلسلہ میں امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

وَأَمَّا صَنِيْعَةُ أَہْلِ الْمَيِّتِ الطَّعَامَ لِلنَّاسِ فَهُوَ مَكْرُوْهٌ؛ لِأَنَّهٗ إِحْدَاثُ شُغْلٍ لَهُمْ۔

(شرح النووي علی مسلم)

ترجمہ: میت کے گھر والوں کا لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ اُن پر ایک نیا بوجھ ڈالنا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: وَ يُكْرَهُ صُنْعُ الطَّعَامِ مِنْ قِبَلِ أَہْلِ الْمَيِّتِ لِلنَّاسِ؛ لِأَنَّهٗ زِيَادَةٌ فِيْ مُصِيْبَتِهِمْ۔ (المغني، ابن قدامۃ)

ترجمہ: میت کے گھر والوں کا لوگوں کے لیے کھانا بنانا مکروہ ہے، کیونکہ یہ ان کی مصیبت میں اضافہ ہے۔

فقہ حنفی کی کتاب ''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے:

وَيُكْرَهُ اتِّخَاذُ الطَّعَامِ مِنْ قِبَلِ أَہْلِ الْمَيِّتِ لِلنَّاسِ۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الکراہیۃ)

ترجمہ: ''میت کے گھر والوں کا لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔''

جامع اور متوازن نتیجہ

بنابریں مندرجہ بالا نصوصِ قرآن، احادیثِ نبویہ، آثارِ صحابہؓ اور فقہی تصریحات کی روشنی میں واضح اور دوٹوک حکم یہ ہے کہ وفات کے موقع پر اہلِ میت کا کھانا بنوانا، لوگوں کو کھلانا، دعوتی انداز اختیار کرنا، قرض لے کر یہ رسم نبھانا اور اس میں مرد و خواتین و بچوں کا ازدحام کرنا؛ یہ سب خلافِ سنت، مکروہ اور قابلِ ترک اعمال ہیں۔ سنت یہ ہے کہ لوگ اہلِ میت کے لیے کھانا لے کر جائیں، نہ کہ اہلِ میت لوگوں کو کھلائیں۔ اس موقع پر تمام شرکائے جنازہ کے لیے دعوتِ عام کا اہتمام کرنا قابلِ اصلاح ہے۔ کھانے کا یہ انتظام ضرورتاً صرف قریبی اعزہ کے لیے ہونا چاہیے۔ دوسروں کے لیے نہ قطعاً اس کا اہتمام کیا جائے، نہ دوسرے لوگ اس میں شریک ہوں، کیوں کہ یہ مسئلہ محض ایک رسم کا نہیں، بلکہ شریعت کے مزاج اور اُمت کے اخلاقی ڈھانچے کا ہے۔ اگر ہم نے اس موقع پر بھی دنیاداری، نمائش اور رسم پرستی کو ترجیح دی تو آہستہ آہستہ سنت مٹتی چلی جائے گی۔

علماء اور ذمہ دارانِ ملت کی ذمہ داری

اسلام نے غم کے موقع پر سادگی، اخلاص اور تعاون کا درس دیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے معاشرے کو غیر شرعی رسومات سے پاک کریں اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ کریں، لہٰذا ضروری ہے کہ علماء آواز اُٹھائیں، عوام سمجھیں اور یہ غلط رواج ختم کیا جائے، اس لیے علماء کرام پر لازم ہے کہ منبر و محراب سے تعلیم دیں کہ سنت کیا ہے اور بدعت کیا ہے؟! عملی نمونہ قائم کریں کہ تعزیت مختصر اور سادہ ہو۔ اہلِ میت کو روکتے رہیں کہ وہ کھانے کا اہتمام نہ کریں۔ لوگوں کو ترغیب دیں کہ وہ اہلِ میت کے لیے کھانا بھیجیں، نہ کہ خود اُن کے یہاں جا کر کھائیں۔

......✦......

حیلہ کی شرعی حیثیت

پروفیسر مولانا سید باچا آغا

لفظ ”حيلة“ واحد اور اس کی جمع ”حيل“ ہے، جیسے کہ ”عبرة“ کی جمع ”عبر“ ہے اور ”حكمة“ کی جمع حکم ہے۔ ”الحيلة“ جمع ”حِيل“ ،تصرف کی قوت، ہوشیاری، دور بینی کو کہا جاتا ہے۔ ”الحيل“جمع ”احيال وحيول“،قوت اور ”الحيلة“ کا معنی ہے:”القدرة على التصرف في الأشغال“(۱)
”دو کاموں میں تصرف کی قوت“

حیلہ کے جواز کے متعلق علماء احناف کا مذہب یہ ہے کہ ایسا حیلہ کرنا جس کے ذریعے سے آدمی اپنے آپ کو حرام کام یا چیز سے دور رکھے یا اس کے ذریعے سے حلال چیز تک پہنچ جائے تو ایسا کرنا نیک اور اچھا کام ہے اور اس کی اجازت ہے۔لیکن اس کے برعکس ایسا حیلہ کرنا جس سے کسی دوسرے شخص کا حق دبایا جائے یا حق سے بے حق کیا جائے یا اس میں شبہ پیدا کیا جائے یا ناجائز اور باطل کام یا مشتبہ چیز کو صحیح اور سچ کرنے کا ذریعہ بنایا جائے تو ایسا حیلہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔عالمگیری میں اس سلسلے میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

”مذهب علمائنا رحمهم الله تعالى أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهى مكروهة وكلّ حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة۔(۲)

ترجمہ: ہمارے علماء (امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ) کا مذہب یہ ہے کہ ہر حیلہ جس کو آدمی اس واسطے کرتا ہے کہ اس سے حق غیر باطل ہوجائے یا اس میں کوئی شبہ پیدا ہوجائے یا بغرض تمویہ باطل کرتا ہے تو وہ مکروہ ہے اور ہر وہ حیلہ جس کو اس غرض سے کرتا ہے کہ حرام سے خلاصی ہو یا اس کے وسیلہ سے حلال تک پہنچ جائے ،یعنی حلت حاصل ہو تو یہ جائز ہے۔اس قسم کے حیلوں کے جواز کے لیے اصل شرعی یہ فرمانِ خداوندی ہے:

خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهٖ وَلَا تَحْنَثْ۔(۳)

ترجمہ: اور پکڑ اا پنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھا، پھر اس سے مار اور اپنی قسم میں جھوٹا نہ ہو۔

مفسرین نے اس آیت کا شان نزول اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام جن دنوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے امتحانات میں مبتلا ہو گئے تھے، یعنی وہ جانی اور مالی سخت نقصان میں ڈال دیئے گئے تھے تو ایک بار شیطان ایک طبیب کی شکل میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کو ملا تھا، آپ کی بیوی نے طبیب سمجھ کر اُس سے علاج کی درخواست کی، اس نے کہا: اس شرط سے کہ اگر ان کو شفا ہو جائے تو یوں کہہ دینا کہ تو نے اس کو شفا دی، میں اور کچھ نذرانہ نہیں چاہتا۔ انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام سے ذکر کیا، انہوں نے فرمایا: بھلی مانس! وہ تو شیطان تھا، میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو شفا دیدے تو میں تجھ کو سو (۱۰۰) قمچیاں ماروں گا، پس آپ کو سخت رنج پہنچا اس سے کہ میری بیماری کی بدولت شیطان کا یہاں تک حوصلہ بڑھا کہ خاص میری بیوی سے ایسے کلمات کہلوانا چاہتا ہے جو ظاہراً موجب شرک ہیں، گو تاویل سے شرک نہ ہوں۔(۴) بہر حال حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی پاک دامن اہلیہ سے اس بدگمانی کی بنا پر سو (۱۰۰) چھڑیاں مارنے کی قسم کھائی تھی، مگر حق تعالیٰ چونکہ عالم الغیب ہیں، حقیقت حال سے واقف ہیں اور ان کی اہلیہ کو بے قصور جانتے تھے، اس لیے حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم میں جھوٹا ہونے سے بچانے اور لوگوں کے سامنے اہلیہ کی بے قصوری ثابت کرنے کے لیے حکم دیا کہ سو (۱۰۰) شاخوں والے گچھے (مثل جھاڑو) سے اپنی اہلیہ کو اس طرح سے ماریں کہ سب ان کے بدن سے لگ جائیں تو وہ قسم میں حانث نہ ہوں گے۔ چنانچہ اس حکم پر عمل کیا گیا، تمام مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا ہے اور یہی صحیح مذہب ہے، جیسا کہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: وقال بعضهم إن الحكم كان عاما ثم نسخ والصحيح بقاء الحكم(۵)

ترجمہ: اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ حکم عام تھا، پھر منسوخ ہوا اور صحیح یہ ہے کہ اس کا محکم باقی ہے۔

اور اسے منسوخ کیوں کہا جائے؟ حالاں کہ کتاب الحدود، باب الزنا میں ایک انتہائی کمزور شخص کو زنا کی وجہ سے سو کوڑے مارنے کے موقع پر خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی جیسا حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

عن سعيد بن سعد بن عبادة قال كان بين أبياتنا رجل مخدج ضعيف فلم يرع إلا وهو على أمة من إماء الدار يخبث بها فرفع شانه سعد بن عبادة إلى رسول الله ﷺ فقال : اجلدوه ضرب مأة سوط، قالوا : يانبي الله! هو أضعف من ذلك، لو ضربناه مأة سوط مات، قال: فخذوا له عشكالا فيه مائة شمراخ فاضربوه ضربة

واحدة۔(٦)

ترجمہ: حضرت سعید بن سعد بن عبادہؓ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ ہمارے محلے میں ایک شخص فطرتاً انتہائی کمزور تھا اور اس نے ایک عورت سے زنا کرلیا تو حضرت سعد بن عبادہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس واقعے کو بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے سو کوڑے مارو۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ وہ بہت ہی کمزور ہے، اگر ہم اس کو سو کوڑے ماریں گے تو وہ اس سے مر جائے گا۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سو قمچیوں کا ایک گچھا باندھ کر ایک بار اُسے مار دو۔

اب اگر پھر بھی کوئی شخص اس فرمان خداوندی کو کسی دلیل کے بغیر منسوخ ہونے کا قائل ہو جائے، تب بھی ایسی حدیث اس کے جواز اور ثبوت کے لیے کافی ہے۔ بہر حال مذکورہ آیت کریمہ میں درج اس واقعہ سے متعلق چند مسائل واضح ہوئے:

پہلا مسئلہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو سو (۱۰۰) قمچیاں مارنے کی قسم کھالے اور بعد میں سو قمچیاں الگ الگ مارنے کے بجائے تمام قمچیوں کا ایک گٹھا بنا کر ایک ہی مرتبہ مار دے تو اس سے قسم پوری ہو جاتی ہے، اسی لیے حضرت ایوب علیہ السلام کو ایسا کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے، لیکن جیسا کہ علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے کہ اس کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں: ایک تو یہ کہ اس شخص کے بدن پر بھی طولاً یا عرضاً ضرور لگ جائے۔ دوسرا یہ کہ اس سے کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور ہو، اگر اتنے ہلکے سے قمچیاں بدن کو لگائی گئیں کہ بالکل تکلیف نہ ہوئی تو قسم پوری ہی نہیں ہوگی۔(۷) فتح القدیر میں درج ہے کہ:

إذا حلف ليضربنه مائة سوط وضربه بها مرة لا يحنث لكن بشرط أن يصيب بدنه كلّ سوط منها، و ذلك إما أن يكون بأطرافها قائمة أو بأعراضها مبسوطة والإيلام شرط فيه، أما عدمه بالكلية فلا۔(٨)

ترجمہ: اگر کسی نے قسم کھالی کہ میں اسے سو قمچیاں ماروں گا اور پھر سو ۱۰۰ قمچیوں کو جمع کر کے ایک ہی بار مارا تو وہ حانث نہیں ہوگا اس شرط کے ساتھ کہ وہ سو کے سو اس کے بدن کو لگ جائیں، یہ اس وقت ممکن ہے کہ یہ اطراف سے طولاً قائم یا عرضاً باندھے ہوئے ہوں، اس میں بدن کو تکلیف کا پہنچنا شرط ہے، اگر تکلیف کلیۃً معدوم ہو تو پھر حانث ہو جائے گا۔

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کسی نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کے لیے کوئی شرعی حیلہ اختیار کیا جائے تو وہ جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں قسم کا اصلی تقاضا یہ ہے کہ آپ علیہ السلام اپنی زوجہ مطہرہ کو پوری سو (۱۰۰) قمچیاں ماریں، لیکن چونکہ ان کی زوجہ مطہرہ بے گناہ تھیں اور انہوں نے

حضرت ایوب علیہ السلام کی بے مثال خدمت کی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک حیلہ کی تلقین فرمائی اور یہ تصریح کردی کہ اس طرح ان کی قسم نہیں ٹوٹے گی، اس لیے یہ واقعہ حیلہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص نامناسب، غلط یا ناجائز فعل کی قسم کھالے تو قسم منعقد ہو جاتی ہے اور اس کے توڑنے پر بھی کفارہ آتا ہے۔ظاہر ہے کہ اگر اس صورت میں کفارہ نہ آتا تو حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ حیلہ تلقین نہ فرمایا جاتا۔لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کسی نامناسب کام پر قسم کھالی جائے تو شرعی حکم یہ ہے کہ اسے توڑ کر کفارہ ادا کر دیا جائے (١٠) جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

إذا حلفت على يمين فرأيت غيرها خيرًا منها، فكفر عن يمينك وأت الذى هو خير۔(١١)

ترجمہ: جو شخص ایک قسم کھالے، پھر بعد میں اس کی رائے یہ ہو کہ اس قسم کے خلاف عمل کرنا زیادہ بہتر ہے تو اسے چاہیے کہ وہ وہی کام کرے جو بہتر ہو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حیلے اسی وقت جائز ہوتے ہیں جب کہ انہیں شرعی مقاصد کے ابطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ کسی مقدار کا حق باطل کیا جائے یا کسی صریح فعل حرام کو اس کی روح برقرار رکھتے ہوئے اپنے لیے حلال کرلیا جائے تو ایسا حیلہ بالکل ناجائز ہے،مثلاً: زکوٰۃ سے بچنے کے لیے بعض لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سال کے ختم ہونے سے ذرا پہلے اپنا مال بیوی کی ملکیت میں دے دیتے ہیں، پھر کچھ عرصہ کے بعد بیوی اُسے شوہر کی ملکیت میں دے دیتی ہے اور جب اگلا سال ختم ہونے کے قریب ہو تو پھر شوہر وہ مال بیوی کو ہبہ کر دیتا ہے، اس طرح کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔لہٰذا ایسا کرنا چونکہ مقاصد شرعیہ کو باطل کرنے کی ایک کوشش ہے، اس لیے حرام ہے اور شاید اس کا وبال ترک زکوٰۃ کے وبال سے زیادہ بڑھ کر ہو۔

اس سلسلے میں علامہ آلوسی ہے فرماتے ہیں کہ:وعندى أن كل حيلة أوجبت إبطال حكمة شرعية لاتقبل كحيلة سقوط الزكاة-

ترجمہ: اور میرے نزدیک ہر وہ حیلہ جو حکمت شرعیہ کے ابطال کا سبب بنے اُسے قبول نہیں کیا جائے گا،جیسا کہ سقوطِ زکوٰۃ کا حیلہ۔

الحاصل حسنِ نیت اور صدقِ دل کے ساتھ حیلوں کے ذریعے اگر یہی بات مقصود ہو کہ اس طرح حرام اور گناہ کے کام سے بچنا ہے یا حلال اور ثواب کام کرنے کا یہ وسیلہ ہو اور اس بات کا پورا یقین ہو کہ اللہ

تعالیٰ ہمارے تمام کاموں اور نیتوں سے واقف اور عالم الغیب ہیں تو حیلہ کرنا جائز ہوگا اور اگر بدنیتی کے ساتھ فرائض و واجبات بھی ادا کیے جائیں تو وہ بھی عذاب میں مبتلا کرنے کے ذرائع اور ناجائز ہوں گے، مثلاً نماز جو لوگوں کو دکھانے یا لوگوں کے دلوں میں اپنے آپ کو محترم ثابت کرنے کے لیے ہو تو وہ بھی ناجائز ہوگی۔اعاذنا اللہ تعالی وھو المولی الحق المبین۔

مراجع ومصادر

(۱)المنجد في اللغة،منشورات دار المشرق، بیروت،طبقة الخامسة والعشر ون،۱۹۹۶ء،ص:۱۶۵۔

(۲)علامہ شیخ نظام و جماعة من علماء الہند، الفتاوی العالمگیری،مکتبۃ ماجدیہ،کوئٹہ ۱۹۸۳ء، ج:۲،ص:۳۹۰۔

(۳)ص:۳۸:۴۴

(۴)مفتی محمد شفیع،معارف القرآن،ادارۃ المعارف،کراچی،ج:۷،ص:۵۲۰۔

(۵)ابی الفضل،شہاب الدین سید محمود آلوسی،روح المعانی،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ،ج:۲۳،ص:۲۷۶۔

(۶)القزوینی،ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ،سنن ابن ماجہ،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ،ص:۱۸۵۔

(۷)حوالہ بالا،مفتی محمد شفیع،معارف القرآن،ج:۷،ص:۵۲۲۔

(۸)ابن ہمام،شیخ کمال الدین محمد بن عبدالواحد،فتح القدیر،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ،ج ۵،ص:۱۸۰۔

(۹)بحوالہ بالا،مفتی محمد شفیع،معارف القرآن،ج ۷،ص:۵۲۳۔

(۱۰)ایضاً،ج:۷،ص:۵۲۳

(۱۱)البخاری محمد بن اسماعیل صحیح بخاری،کتاب الایمان،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ،ج:۲،ص:۹۸۰۔

(۱۲)بحوالہ بالا،ابی الفضل،شہاب الدین سید محمود آلوسی،روح المعانی،ج:۲۳،ص:۲۷۷۔

خلیفۂ بلافصل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

احادیث کی روشنی میں

مولانا محمد مجاہد بن خلیل

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد جس جماعت کو مقدس، محترم، ذی شان بنایا ہے، وہ جماعت ان عظیم ہستیوں کی جماعت ہے جنہوں نے ایمان کی حالت میں امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، اور ایمان پر ہی خاتمہ ہوا ہو۔ اس جماعت کو حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقدس لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی افضلیت کی جانب حدیثِ مبارکہ میں واضح اشارہ ملتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتسبوا أصحابي ، فلو أن أحدكم أنفق ذهباً ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه۔

(الجامع الصحیح للبخاری، ج:۵،ص:۸، رقم الحدیث: ۳۶۷۳)

میرے صحابہؓ کو برا بھلا مت کہو، اگر تم میں سے کوئی ایک اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تب بھی میرے صحابہؓ کے مد کے اور نہ ہی نصف کے برابر پہنچ سکتا ہے۔

ویسے تو ہر صحابیؓ کی شان نرالی ہے، ہر صحابیؓ ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے، لیکن ان میں بعض کو بعض پر فوقیت حاصل ہے، جیسا کہ صاحبِ ''الجوہر الہریرۃ من کلام خیر البریۃ'' نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک نقل کیا ہے:

بعضهم أي من الصحابةؓ أقوى من بعض۔ (الجوہر الہریرۃ لأبي یوسف محمد زید، ج:۴،ص:۳۰)

قرآن کریم میں بے شمار مقامات پر شانِ صحابہؓ کو بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَالسَّابِقُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ

الْعَظِيْمُ۔ (التوبۃ:۱۰۰)

مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی ہے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس کے علاوہ بے شمار آیات ہیں، جن میں شانِ صحابہؓ کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ لیکن ان تمام میں سب سے اعلیٰ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو قرآن وحدیث میں بے شمار مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر ذخیرۂ احادیث میں سے فضائلِ صدیق اکبرؓ کے چند نمونے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

حضرت ابوبکرؓ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیل

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ تمغہ حاصل ہے کہ امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو اپنا خلیل بنانے کی آرزو کی ہے، جیسا کہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۷۳ھ) اپنی کتاب ''سنن ابن ماجہ'' میں روایت کرتے ہیں: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :" ولو كنت متخذاً خليلاً، لاتخذتُ أبابكر خليلاً۔ (سنن ابن ماجہ، ج:۱، ص:۷۰، رقم الحدیث: ۹۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی کو دوست بناتا، تو ابوبکرؓ کو دوست بناتا۔

امام ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن الحسنؒ (متوفی ۴۱۸ھ) اس بات کو مزید وضاحت سے نقل کرتے ہیں، جیسا کہ آپ اپنی کتاب "شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة" میں روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس رضي الله عنه خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم عاصباً رأسهُ بخرقة في مرضه الذيمات فيه ... قال: "لو كنت متخذًا من الناس خليلاً، لاتخذت أبابكرؓ۔ (شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ، ج:۷، ص:۷۴۳، رقم الحدیث: ۲۴۰۸)

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اس مرض میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر کپڑے کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں لوگوں میں سے کسی کو دوست بناتا، تو میں ابوبکرؓ کو دوست بناتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا تعلق تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنا دوست بنانے کی بات کر رہے ہیں۔

انبیاءؑ کے بعد مخلوق میں سب سے افضل (خیر الخلائق بعد الانبیاء)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روئے زمین پر انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد سب سے افضل انسان ہیں، اسی بات کی جانب امام الأنبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام میں اشارہ کیا ہے، جس کو امام ابوبکر بن ابی عاصم الشیبانیؒ (متوفی:۲۸۷ھ) اپنی کتاب ''کتاب السنۃ'' میں روایت کرتے ہیں:

عن أبي الدرداء قال: رأني رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا أمشي بين يدي أبي بكر، قال: "أتمشي أمام من هو خير منك؟ إن أبابكر خير من طلعت عليه الشمس وغربت۔ (کتاب السنۃ، ج:۲،ص:۵۷۵،رقم الحدیث:۱۲۲۴)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اس حال میں کہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آگے چل رہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اس کے آگے کیوں چل رہا ہے جو تم سے بہتر ہے؟ (اس کے بعد فرمایا) جتنے لوگوں پر سورج طلوع ہوتا ہے ان تمام میں حضرت ابوبکرؓ سب سے افضل ہیں۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۴۱ھ) اپنی کتاب ''فضائل الصحابۃؓ'' میں اس بات کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے حوالے سے مزید واشگاف الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

خطبنا عليؓ على هذا المنبر، فحمد اللهَ وذكرهُ ماشاء الله أن يذكرهُ ۔۔۔فقال: "إن خيرالناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم أبوبكر۔

(فضائل الصحابۃؓ، ج:۱،ص:۳۵۵،رقم الحدیث:۴۸۴)

حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہٗ ایک دن خطبہ کے لیے منبر پر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: بے شک لوگوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی ذاتِ گرامی ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں، اس بات کے نہ صرف اور صحابہ کرامؓ معترف تھے، بلکہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو افضل الخلائق بعد الأنبیاء تصور کرتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے ساتھ محبت کے دعویداروں کو اُن کے اس فرمان پر غور کرنا چاہیے۔

سیدنا ابوبکرؓ جنت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق

ہر صحابیؓ جنتی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اپنی رضا اور خوش نودی کا اعلان کیا ہے، لیکن بعض ایسے بھی خوش نصیب ہیں، جنہیں نبوت نے اپنی زبانِ مبارک سے نام لے کر جنتی ہونے کی بشارت دی، جیسے: عشرہ مبشرہ صحابہ کرامؓ ہیں، لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب افراد میں سے ہیں جن کو نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ جنت میں اپنا رفیق ہونے کی بھی اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں، جیسا کہ امام ابوبکر محمد بن حسین الآجری بغدادیؒ (متوفی ۳۶۰ھ) اپنی کتاب ''الشریعۃ'' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی طرح کا فرمان نقل کرتے ہیں:

عن أنس بن مالك رضى الله عنه ، قال: رفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يدهٗ، وقال: "اللّٰهم اجعل أبابكر معي في درجتي يوم القيامة، فأوحىٰ إليه أني قد استجبت لک۔ (الشریعۃ، ج:۴،ص:۱۷۸۷،رقم الحدیث:۱۲۷۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) اپنے ہاتھ کو (اللہ کے دربار میں) اُٹھایا اور فرمایا: اے اللہ! ابوبکر کو قیامت کے دن میرے ساتھ درجہ عطا فرما، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی گئی کہ ہم نے آپ کی دعا کو قبول کر لیا ہے۔

اس ارشاد مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ہوں گے، کیوں کہ اس کی نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول بھی کیا ہے۔

ذخیرۂ احادیث میں سے چند احادیث آپ حضرات کے سامنے پیش کی ہیں، جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل اور منقبت پر دال ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

……✦……

داعیٔ اسلام ومناظر ومتکلم

مولانا عبداللہ مال پوری میواتیؒ

مولانا سید فضیل احمد ناصری

استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

آج ذکر ہے امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے ایسے شاگرد کا، جو صحیح معنوں میں آیة من آیات اللہ تھا۔ یعنی محسنِ میوات حضرت مولانا عبداللہ صاحب مال پوریؒ۔ کیا ہی باکمال شخصیت تھی۔ قدرت کا ایک عجوبہ۔ مخرج الحی من المیت کا ایک روشن کرشمہ۔ کفر کے ظلمات سے نکلے اور اسلام کی منور کائنات میں داخل ہوگئے۔ سعادت آثار۔ سراپا وقف وایثار۔ حال وقال کا مجموعہ۔ سوز وساز کی متحرک تصویر۔ سادہ و پرکار، بےنفس و بے ریا۔ پیکر اخلاص۔ محقق و مدقق، فقیہ اور داعی۔ معمار ملت۔ مجسم فنائیت۔ فنا فی الاسلام، فنا فی اللہ، فنا فی الرسول، فنا فی العلم، فنا فی الدعوۃ۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ہر آزمائش کا ہنس کر استقبال کیا۔ بیس بائیس برسوں تک مسلسل پڑھتے ہی رہے۔ کہاں کہاں نہیں پہونچے۔ نظام الدین اولیاء، سرائے میر اعظم گڑھ، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند، جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل، مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوریؒ کی درس گاہ سے بھی متمتع۔ کفر کی آغوش میں جنم لیا اور اسلام کے ترجمان و شارح بن کر نکلے۔ قاہریت ومقہوریت کے البیلے سنگم۔ احقاق حق وابطال باطل میں چست و درست۔ ناممکن تھا کہ ان کے سامنے خلاف شرع کام ہو اور وہ خاموش رہیں۔ جان کی پروا بھی نہیں۔ مروجہ تبلیغی جماعت شروع ہوئی تو بانی کے ساتھ مل کر اس میں بھی بڑھ چڑھ کر شریک۔ گوت بچاؤ رسم کے خلاف ایسی تحریک چھیڑی کہ پورے میوات کی کایا ہی پلٹ دی۔ آندھیوں، طوفانوں، اندھیروں اور موجوں سے ٹکرانا ان کی فطرت ثانیہ۔ گمراہیوں کی چٹانیں ان کی ٹھوکروں سے پاش پاش۔ مناظر ایسے کہ ان کا نام سن کر ہی مخالف پارٹی کے طوطے اڑ جاتے۔ وہ آئے، دیکھا اور فتح کر لیا۔ پوری زندگی جہد مسلسل کا مجسمہ۔ جیے تو ابر بہار بن کر۔ گئے تو اس طرح کہ ان کی خوشبو سے مشام جاں آج بھی معطر:

آتی ہی رہے گی ترے انفاس کی خوشبو ✦ گلشن تری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

مولانا کی ولادت

آغاز حیات دیکھیے: چنی لال کے دولڑکے تھے اور ایک لڑکی۔ ایک لڑکے کا نام سبّن لال اور دوسرے کا بُھٹّن لال۔ یہی سبن لال بعد میں مسلمان ہو گئے اور قبول اسلام کے بعد عبد اللہ بن اسلام کہلائے۔ چھر کلوٹ برادری سے تعلق رکھتے۔ ولادت کم وبیش ۱۸۸۰ء میں ہوئی۔

مولانا کی قامت زیبا

بہ وقت داخلہ دار العلوم نے ان کا حلیہ اپنے ریکارڈ کے دفتر میں اس طرح لکھا تھا:

متوسط قامت، گول چہرہ، کشادہ پیشانی، فراخ ابرو، عریض بینی، ریش دار، داہنے رخ پر ایک مسہ، متوسط اندام۔

جاہلیت سے اسلام کی طرف

موضع دھیر نکا اور آس پاس کی بستیاں مسلمانوں کی ہیں۔ وہیں ایک میاں جی عبد الکریم نامی شخصیت کی آمد ہوا کرتی، سیولی سے تشریف لاتے، عصر کے بعد احاطۂ مسجد کے باہر چار پانچ بوڑھوں کے درمیان رسالہ ''بے نمازاں'' سنا کر نماز کی دعوت دیتے۔ وعظ وارشاد بھی کرتے۔ مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی میں یہی پانچ دین دار۔ باقی سب نام کے کلمہ گو۔ سبن لال چرواہوں کے سردار تھے۔ اس زمانے میں مویشی چراتے۔ ان کا گھر مسجد کے بے حد قریب تھا۔ لوگوں کو دیکھ کر شوق وذوق کے ساتھ گلی میں کھڑے ہو جاتے اور وہیں سے میاں جی کی باتیں سن کر دل کی انگیٹھی گرم کرتے۔ کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ مسرت کا شامیانہ تنا۔ قسمت کا تارہ چمکا۔ ایک دن ان کے دل پر زوردار دستک ہوئی اور پھر زمین وزمان بدل چکے تھے۔ اپنے قبول اسلام کی داستان سناتے ہوئے یہی سبن لال کہتے ہیں:

> ''میں بھی ان کے وعظ میں شریک ہوا کرتا تھا۔ ان کی باتیں میرے دل پر اثر کرتی چلی گئیں۔ میں نے اپنے دل میں یہ سوچا کہ اگر یہ باتیں سچی ہیں جیسا کہ میاں جی عبد الکریم بیان کر رہے ہیں تو اس کے لیے تیاری ہونا ضروری ہے۔ اگر تیاری نہ کی تو پھر پکڑ ہوگی اور اس وقت کوئی بھی تدبیر بچنے کی نہ ہو سکے گی۔ اور اگر بالفرض ایسا پیش نہیں آئے گا تو اس میں حرج کیا ہے! احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ اسلام قبول کر لیا جائے۔ اس طرح ایمان کے جذبات دل میں آتے رہے۔

بالآخر اپنے دل میں ایمان لانے کا پختہ عزم کرلیا اور اپنی خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔‘‘

(حیات محی السنہ، ج:۱)

آگے کی داستان صاحبزادۂ گرامی مفتی رشید احمد قاسمیؒ کی زبانی سنیے:

’’جب اپنے ساتھیوں اور میاں جی عبدالکریم کے سامنے اپنے اسلام لانے کا پختہ عزم ظاہر فرمایا تو وہ حضرات آپ کو موضع ملائی کی جامع مسجد میں لے گئے۔ اندازاً آپ ۱۹۰۱ء میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

موضع ملائی علاقہ کا بڑا گاؤں ہے، جو موضع دھیرنکا سے دو میل کے قریب فاصلے پر ہے۔ وہاں حاجی بھاگمل صاحب وغیرہ دیندار حضرات تھے۔ حاجی بھاگمل صاحب کی حویلی ملائی کی جامع مسجد کے متصل ہے۔ حاجی صاحب حضرت گنگوہیؒ کے مرید تھے۔ اس حویلی کے کنویں پر پہلے آپ کو غسل کرایا گیا۔ اس کے بعد ملائی کی جامع مسجد میں میاں جی عبدالکریم صاحب سیولی والے، مولوی فتح محمد صاحب سرائے کھٹیلہ والے اور حاجی بھاگمل صاحب ملائی والے نے آپ کو کلمۂ طیبہ پڑھا کر مشرف بہ اسلام کیا۔‘‘ (حیات محی السنہ، ج:۱، ص:۳۱، ۳۲)

حالات کے منجدھار میں

سبن لال اب عبداللہ بن اسلام بن چکے تھے۔ اللہ اور رسول کے نام پر مرمٹنے والے۔ جاہلیت سے نکلے تو حالات کے تھپیڑوں سے بچنے کے لیے اپنے وطن دھیرنکا کو خیرباد کہہ دیا۔ والد چنی لال زندہ تھے۔ بھائی بھٹن لال تو جوان ہی تھے۔ ایک بہن بھی تھی۔ جب کافی دن تک گاؤں نہیں پہونچے تو اہل خانہ میں تشویش کی لہر دوڑی۔ تلاش شروع ہوئی۔ جگہ جگہ پولیس میں رپورٹ درج کرائی گئی۔ جستجو عرصے تک جاری رہی۔ جب کوئی سراغ نہیں لگا تو اخیر میں یہی سوچ کر کوشش ترک کر دی کہ وہ شاید لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ بیس بائیس سال کی طالب علمی گزار کر دھیرنکا کے قریبی گاؤں روپڑا کا پہونچے تو والد فوت ہو چکے تھے۔ بہن اور بھائی بھی آں جہانی ہو چکے تھے۔

بائیس برسوں تک مسلسل پڑھتے رہے

جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ قبول اسلام کے ساتھ ہی ترک وطن کر چکے تھے۔ اب انہوں نے تحصیل علم کی طرف پوری توجہ مرکوز کر لی اور لگاتار بائیس برسوں تک مدارس کی فضاؤں کے چکر لگاتے رہے۔ مولانا فتح محمد پنجابی سرائے کھٹیلہ میں رہتے تھے، قبول اسلام کے بعد ان کے پاس چلے گئے۔ وہی ان کے مربی اور

سر پرست ہوئے۔ قاعدہ بغدادی اور قرآن کریم کا پاؤ پارہ انہیں کے پاس پڑھا۔ مولانا فتح محمد انہیں بہت مانتے تھے۔ ان کے ہاں مویشی بھی تھے۔ ان کی دیکھ بھال مولانا سے متعلق کر دی۔ گھریلو کام بھی ان سے لیتے۔ ان کا ارادہ تھا کہ اس نو مسلم شاگرد کا نکاح اپنی لڑکی سے کر دیں گے۔ اپنے اس ارادے کا اظہار شاگرد سے کر بھی دیا تھا، لیکن تلمیذ رشید علمی سفر میں مانع سمجھ کر نکاح پر آمادہ نہ ہوئے۔ یہاں ۱۳۲۴ھ سے ۱۳۲۶ھ تک قیام رہا۔ مولانا فتح محمد صاحب نے آٹھ آنے کرایہ دے کر مزید تعلیم کے لئے نظام الدین روانہ کر دیا۔ نظام الدین میں اس وقت بے نام مدرسہ چلتا تھا۔ بعد میں یہی درس گاہ مدرسہ کاشف العلوم بن گئی۔ اس زمانے میں سرائے کھٹیلہ سے نظام الدین تک کا کرایہ یہی آٹھ آنہ تھا۔ دھیرنکا کے ایک طالب علم کبیرا یہاں پڑھتے تھے، جو مولانا عبداللہ صاحب کے بچپن کے دوست بھی تھے۔ ان کی موجودگی نے اجنبی ماحول میں دل بستگی کا سامان کیا۔ بنگلہ والی مسجد میں تدریس کا فریضہ انجام دینے والے مولانا محمد کاندھلوی صاحب تھے۔ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے بڑے بھائی۔ کبیرا صاحب انہیں لے کر استاذ کے پاس چلے گئے۔ مدرسہ نظام الدین میں ان کا داخلہ ہوا۔ یہ ۱۳۲۷ھ کی بات ہے۔

نظام الدین میں مولانا نے چھ سال گزارے اور ۱۳۳۲ھ تک وہاں کی فضا سے مستفید ہوئے۔ قرآن پاک، اردو دینیات اور ابتدائی فارسی تک کی تعلیم وہیں حاصل کی۔ چھپ چھپا کر جب کبھی اپنے وطن دھیرنکا جاتے تو میاں جی گل محمد خان صاحب کے گھر آپ کا قیام رہتا۔ اہل خانہ کو کبھی بھنک تک لگنے نہ دی۔ یوں بھی غیر مسلموں کے گھر دھیرنکا میں دو چار ہی تھے، خبر لگ بھی جاتی تو کیا کر سکتے تھے۔

نظام الدین سے نکل کر اعظم گڑھ سرائے میر کا رخ کیا۔ وہاں کی مشہور تعلیم گاہ مدرسۃ الاصلاح میں داخلہ لیا۔ یہاں انہوں نے فارسی اور ابتدائی عربی پڑھی۔

مظاہر علوم سہارنپور کے احاطے میں

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں دو سالہ قیام کے بعد ۱۳۳۴ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے، مشکوٰۃ شریف تک مظاہر علوم میں پڑھا اور لگاتار آٹھ سالوں تک وہاں پڑھتے رہے۔ ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۴۲ھ تک اس عظیم درس گاہ سے فیضیاب ہوتے رہے۔ قیام مظاہر کے دوران موچیوں والی مسجد میں امامت بھی کی۔ مظاہر میں مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ سے خصوصی تعلق رہا۔ ان کی خدمت کرتے۔ مولانا بھی اپنے شاگرد کا خصوصی خیال کرتے اور شفقت سے پیش آتے۔

دارالعلوم دیوبند کی پر بہار فضا میں

دارالعلوم دیوبند اس زمانے میں شہرت کی بلندی پر تھا۔ علم کا یہ بحر الکاہل آن بان کے ساتھ موج زن

تھا۔ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور علامہ ابراہیم بلیاویؒ جیسی ہمالیائی شخصیات علوم وعرفان کے جام لنڈھاتیں ۔ ایسے خوشگوار اور بہار بردوش ماحول میں انہوں نے دارالعلوم میں داخلہ لیا۔ عمر اس وقت ۳۵/ برس کی ہو چکی تھی ۔ مظاہر سے جو کتابیں پڑھ کر آئے تھے ان کے نام یہ ہیں:

حمد اللہ، مختصر المعانی، میبذی، شرح عقائد نسفی، ہدایہ اولین و آخرین، حسامی۔

دارالعلوم میں انہوں نے دو سال پڑھا۔ پہلے سال میں مشکوۃ شریف، مختصر المعانی، مقامات حریری، علم عقائد اور کلام میں مسامرہ اور اصول حدیث میں نخبۃ الفکر۔ دوسرے سال انہوں نے دورۂ حدیث شریف کی کتابیں پڑھیں۔ عربی ہفتم اور دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان میں حاصل کیے ہوئے نمبرات حسب ذیل ہیں:

نمبر شمار	کتب امتحان	حاصل کردہ نمبرات	نمبر شمار	کتب امتحان	حاصل کردہ نمبرات
۱	مشکوۃ شریف	۴۶	۳	مقامات حری	۴۳
۲	مختصر المعانی	۴۶	۴	نخبۃ الفکر	۴۲

نمبر شمار	کتب امتحان	حاصل کردہ نمبرات	نمبر شمار	کتب امتحان	حاصل کردہ نمبرات
۱	بخاری شریف	۴۰	۷	طحاوی شریف	۵۰
۲	ترمذی شریف	۴۱	۸	شمائل ترمذی	۴۳
۳	مسلم شریف	۴۶	۹	موطا امام مالک	۴۰
۴	ابوداؤد شریف	۴۷	۱۰	موطا امام محمد	۴۴
۵	نسائی شریف	۴۳	۱۱	بیضاوی شریف	۴۳
۶	ابن ماجہ شریف	۳۵			

۲۰/ شوال المکرم ۱۳۴۳ھ میں انہوں نے داخلہ لیا اور شعبان ۱۳۴۶ھ میں فراغت پائی۔

علامہ کشمیریؒ سے خصوصی تلمذ کے لیے ڈابھیل میں داخلہ

جن دنوں دارالعلوم میں انہوں نے داخلہ لیا تھا کشمیری الامامؒ دارالعلوم میں ہی مسند درس بچھائے ہوئے تھے۔ جب وہ دورۂ حدیث شریف میں پہونچے تو بخاری شریف کے اسباق ان سے پڑھنے کا شرف

بھی ملا۔ پوری بخاری شریف انہیں سے پڑھی۔ اگلے سال مزید استفادے کے لیے دارالعلوم میں رکے رہے۔ اچانک دارالعلوم ایک زبردست انقلاب سے دوچار ہوا۔ امام کشمیریؒ سمیت کئی اساتذہ دارالعلوم سے نکل کر جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل چلے گئے۔ مولانا کی خواہش پوری نہ ہوسکی تو اس کے لیے انہوں نے بھی باقاعدہ ڈابھیل کا رخ کرلیا اور وہاں ایک سال علامہ کی خدمت میں رہ کر دروس حدیث سے خصوصی استفادہ کیا۔ غالباً سالانہ امتحان سے قبل ہی ڈابھیل سے چلے آئے، کیوں کہ فضلائے ڈابھیل میں ان کا نام نہیں ہے۔ محدث عصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ ان کے رفقاء درس میں ہیں۔

مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں

ان دنوں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحبؒ کے دروسِ تفسیر ہندوستان گیر شہرت رکھتے تھے۔ دور دراز سے طلبہ ان کے پاس جاتے اور ان کے معارف ریز اسباق سے استفادہ کرتے۔ مولانا لاہوری نومسلم تھے، مگر تفسیر کے امام۔ مولانا مال پوری نے ایک سال ان کی خدمت میں رہ کر دورۂ تفسیر پڑھا۔ مولانا لاہوریؒ ان سے بڑی محبت فرماتے اور ان کے علم پر اعتماد بھی خوب کرتے۔ ۱۳۵۴ھ میں جب انہوں نے ایک کتاب بہ نام ''پیغام رسول'' شائع کی تو اس پر اپنے نومسلم شاگرد سے بھی تقریظ لکھوائی، حالانکہ اس پر تصدیقات لکھنے والوں میں اس دور کی عظیم شخصیتیں بھی ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے استاذ گرامی امام العصر علامہ کشمیریؒ بھی۔

عملی زندگی کا آغاز

مولانا مرحوم ۳۸ر برس کی عمر تک مسلسل پڑھتے رہے۔ لاہور سے نکل کر عملی زندگی شروع کردی۔ اوّل اوّل مدرسہ سبحانیہ دہلی میں دورۂ تفسیر پڑھایا، لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکا۔ وہاں سے اپنے وطن میوات چلے آئے اور موضع روپڑاکا میں قیام کیا۔ وہیں قریشیوں کی مسجد میں امامت اور بچوں کی تعلیم شروع کی۔ روپڑاکے کی مسجد جامع کے لئے امام وخطیب کی تلاش تھی۔ یہ وہی جامع مسجد تھی جہاں قبولِ اسلام کے ابتدائی عشرے میں ان کے ساتھ ایک تکلیف دہ قصہ پیش آچکا تھا۔ مولانا جمعہ کے لئے پہونچے تو دو بوڑھے میاں بھی ساتھ ساتھ تھے۔ مولانا وضو کرنے لگے تو دونوں بوڑھے بھی انہیں دیکھ کر وضو کرنے لگے۔ مقتدی کا وضو ٹھیک تھا، نہ مقتدا کا۔ مسجد کا متولی علاقے کا چودھری تھا، جس کے زیر انتظام بارہ گاؤں ہوا کرتے تھے۔ یہ تمام مناظر وہ حیرت سے دیکھ رہا تھا اور غصے سے لال پیلا بھی ہو رہا تھا کہ بیس بائیس سال کا ہوچکا اور وضو بھی نہیں آتا۔ ایک بوڑھے نے بتایا کہ یہ نومسلم ہے۔ یہ سنتے ہی آتشِ غضب

بھڑک اٹھی۔ وہ لپکا کہ یہ لوٹا تو ناپاک ہوگیا۔ زمین پر پٹخ دیا۔ مٹی کا لوٹا چکنا چور ہوگیا۔ مولانا سوچ میں پڑ گئے کہ اتنے شان دار مذہب میں ایسے جاہل لوگ!

مسجد قریشیان میں امامت کی برکت سے مولانا کا شہرہ ہوچکا تھا۔ لوگوں کی زبان پر تھا کہ دیوبند سے ایک مولوی صاحب پڑھ کر آئے ہیں، بڑی اچھی صلاحیت کے مالک ہیں، مسجد جامع کی امامت کے لئے انہیں ہی رکھ لیا جائے۔ ان کا تقرر کرلیا گیا۔

نیرنگئ تقدیر دیکھئے، اسی جامع مسجد روپڑا کا کی امامت وخطابت سپرد ہوئی تو ایک پُروقار تقریب میں ان کے سر پر دستار باندھی گئی۔ باندھنے والا وہی چودھری تھا جس نے مٹی کا لوٹا چھین کر غصے میں توڑ دیا تھا۔ چودھری دستار باندھ رہا تھا کہ اچانک مولانا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ حیران ہوا تو انہوں نے پوری داستان سنائی۔ اسے اپنا ماضی یاد آ گیا۔ پھر دیکھتے کیا ہیں کہ وہ چودھری مولانا کے قدموں میں تھا، معافی مانگ رہا تھا اور زار و قطار رو رہا تھا۔ حاضرین محوِ حیرت تھے۔ چودھری نے اعلان کیا کہ دنیوی مسائل کے لئے میں تو ہوں ہی، دینی مسائل کے لئے ہمارے پیشوا آج سے یہی مولانا ہیں۔

روپڑا کے کی دونوں مسجدوں میں ان کی خدمات جاری رہیں۔ ابطالِ باطل اور رد منکرات میں تسلسل کے ساتھ منہمک رہے۔ اس کے ساتھ ہی مسجد قریشیان میں تفسیر قرآن کا سلسلہ بھی۔

میوات کی حالتِ زار اور مولانا کی خدمات

آج تو میوات اہل علم سے معمور ہے۔ علم کی تابانیاں اپنا کام کررہی ہیں۔ مذہبی مسلمان کافی نظر آتے ہیں۔ مولانا کے عہد کا میوات مذہباً خستہ حال تھا۔ مسلمانوں کے نام کافروں جیسے۔ رسوم و رواج بھی مشرکانہ اور بوجہلانہ۔ بدعات وخرافات دین کا درجہ پاچکی تھیں۔ گیارہویں، بارہویں اور تعزیہ جیسی رسمیں سکۂ رائج الوقت تھیں۔ ایسی سنگلاخ زمین مولانا کا میدان عمل بنی۔ مفتی رشید احمد مال پوریؒ لکھتے ہیں:

> ''میوات میں نہ دینی تعلیم تھی، نہ دینی ماحول تھا۔ بالعموم باپ دادا کی رسومات کی پابندی کا رواج ایسا غالب تھا کہ جو دین دار حضرات تھے معاشرہ کے دباؤ کے تحت وہ حضرات بھی انہی رسومات کے پابند تھے۔ ان رسومات میں بالخصوص گوت بچاؤ کی رسم کی پابندی خاص طور پر قابل اصلاح ہے۔ پردہ کی پابندی نہیں۔ اس ماحول میں آپ نے رسومات کی اصلاح اور سنتوں کے احیا کا کام شروع فرمایا۔ نہ کوئی مدرسہ کھولا، نہ کتابیں لکھیں، نہ جلسے کیے۔ خاموشی کے ساتھ ایک چھوٹے سے گاؤں کی مسجد میں بیٹھ کر افراد کی تربیت کا کام شروع کیا۔'' (حیات محی السنۃ، ج:۱ص:۴۵)

مال پوری میں مستقل سکونت

روپڑا کا میں قیام بھی دیر پا ثابت نہ ہوا۔ چودھری اور پوری قوم مولانا کے مشن اصلاحِ عقائد اور گوت بچاؤ کے خلاف ان کے بیانات سے ناراض تھی۔ انہوں نے روکنے کی بہت کوشش کی۔ مولانا نے کہا: خواہ کچھ بھی ہوجائے میں اس موضوع پر گفتگو کرنا نہیں چھوڑوں گا۔ قوم کے دباؤ میں چودھری نے آخر کار انہیں معزول کر دیا اور اس دھمکی کے ساتھ کہ اس مولوی سے جو بھی تعلق رکھے گا اس کا بھی بائیکاٹ کیا جائے گا۔ بوجھل قدموں کے ساتھ مولانا چلے آئے۔ چارا یکڑ زمین بھی واپس دے دی جو ایک مقتدی نے ہدیے میں دی تھی۔ پھر حالت یہ ہوئی کہ امامت وخطابت کی ہامی کسی نے بھی نہ بھری۔ پورا سال گزر گیا، قوم امام کو ترستی رہی۔ تھک ہار کر پھر مولانا کی بارگاہ میں۔ مولانا کی شرط وہی کہ بات جہاں ختم کی تھی وہیں سے شروع ہوگی۔ گوت بچاؤ رسم کے خلاف جیسے کل بولتا تھا۔ آگے بھی بولوں گا۔ ایک شرط یہ بھی کہ وہ زمین اب میری ملکیت نہیں رہے گی، نہ میری اولاد کا اس زمین سے کوئی تعلق رہے گا۔ چودھری کے پاس تسلیم کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ جامع مسجد اور عیدین کی امامت پھر مولانا کے سپرد ہوگئی۔ بارہ گاؤں ان کی امامت میں عیدین کی نمازیں پڑھنے لگے۔ اس مسجد کے جمعہ وعیدین کی امامت اب ان کی اولاد کر رہی ہے۔

روپڑا کے سے برطرفی ہوئی تو میاں جی امراؤ نے مال پوری مسجد میں امامت کی تحریک چھیڑ دی اور انہیں مال پوری لانے میں کامیاب بھی رہے۔ چودھری کو پتہ چلا تو برادری سے کاٹ دینے کی انہیں بھی دھمکی دے ڈالی۔ میاں جی امراؤ متمول اور صاحب اثر ورسوخ تھے، چودھری کی دھمکیوں کو انہوں نے ہنسی میں اڑا دیا۔ جب تک نکاح نہیں ہوا تھا، طعام کا بندو بست بھی میاں جی کی طرف سے رہا۔ پھر مسجد سے متصل اپنی ایک جگہ ان کو عطیہ کر دی، بلکہ کچا گھر بنا کر بھی دیا۔

مولانا مرحوم اسی مسجد میں بچوں کو پڑھاتے رہے۔ یہ مسجد اس زمانے میں کچی تھی۔ اینٹوں اور گاروں کی بنی ہوئی۔ مولانا نے اسے شہید کروا کر خوب صورت اور جدید طرز پر لائق دید مسجد تعمیر کرائی۔ تعمیر جدید اور توسیع مسجد کا مبارک کام حضرت مولانا کے ذریعے ہی انجام پایا۔ پوری زندگی اسی مسجد میں قیام رہا۔

گوت بچاؤ رسم کے خلاف جہاد

میوات ان دنوں ہندوانہ رسم ورواج اور مشرکانہ اعمال وعقائد میں بری طرح لت پت تھا۔ ایک بڑی خرابی یہ تھی کہ یہ لوگ گوت بچاؤ رسم کے پرجوش حامی تھے۔ ممکن نہیں تھا کہ چچازاد، پھوپھی زاد اور خالہ

زاد بھائی بہن آپس میں نکاح کرسکیں۔اس طرح کے نکاح کو وہ لوگ حرام یا کالحرام سمجھتے۔ایک رسم یہ بھی تھی کہ جس گاؤں سے لڑکی بیاہ کر لے آتے تو اس گاؤں میں اس برادری کا اب کوئی رشتہ نہیں ہوسکتا تھا۔یہی رسم لڑکے کی شادی سے بھی متعلق۔صورت حال اس قدر نازک کہ گوت بچانے کے لیے مار دھاڑ اور قتل و غارت سے بھی باز نہ آتے۔مولانا مرحوم جب میدان عمل میں آئے تو اس مشرکانہ اور کافرانہ رسم کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا۔انفراداً واجتماعاً ہر طرح سمجھایا۔جمعہ کے بیانات کے ساتھ جگہ جگہ تقریریں بھی کیں۔اسلام کی صحیح تعلیمات سے عوام کو روشناس کرایا۔دارالعلوم دیوبند اور ملک کے مؤقر دارالافتاؤں سے اس رسم بد کے خلاف فتوے منگوائے۔ان کی خوب تشہیر کی۔انہیں جمع کر کے شائع بھی کیے۔مولانا کے خون جگر نے ان کی تحریک میں رنگ بھرا۔ان کی سرفروشانہ جدوجہد سے کفر زدہ معاشرے میں ایک ہلچل مچ گئی۔مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد برافروختہ ہوگئی۔ان کے خلاف منصوبے بننے لگے۔ان کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں۔مولانا کے کئی ہم نوا اس قضیے میں مارے بھی گئے،مگر مولانا کے پائے استقلال میں کوئی تزلزل نہیں آیا۔اس خرافاتی رسم کی سرکوبی پر وہ اڑے رہے۔ڈٹے رہے اور تکبیر مسلسل سے کفریہ عقائد میں شگاف ڈالتے رہے۔ان کی پیہم تگ ودو اور انتھک ترک تازیوں نے حالات کا دھارا موڑ دیا۔لوگوں میں خوش گوار تبدیلی آئی۔مشرکانہ طریق نے دم توڑا۔آپس کی شادیاں ہونے لگیں۔سنتیں زندہ ہوئیں۔مولانا کا یہ کارنامہ اہل میوات کبھی فراموش نہ کرسکیں گے۔

فن مناظرہ سے خصوصی دل چسپی

مولانا یوں تو اسلامی علوم کے زبردست ماہر تھے اور ہر موضوع پر بے تکلف لکھنے اور پڑھنے پر قادر۔اصلاحِ رسوم اور عقائد کی درستی چوں کہ ان کا موضوع تھا،اس لئے فن مناظرہ سے بھی انہیں بے انتہا لگاؤ رہا۔تحریری وتقریری ہر طرح کے مناظرے ہوئے۔متعدد مناظرے ان کی قیادت میں اور ہر مرتبہ فتح ان کی جھولی میں۔اومرہ کا مناظرہ کافی مشہور ہوا۔غیر مقلد عالم مولانا عبدالشکور شکراوہ والے اس سلسلے میں مناظر تھے۔موضوع تھا قرأت فاتحہ خلف الامام۔غیر مقلد مناظر کی ایسی حالت ہوئی کہ منہ دکھانے کے بھی قابل نہ رہے۔

حضرت تھانویؒ کی خدمت میں

تصوف وسلوک کا عنصر بھی ان میں کافی تھا۔مولانا عبدالکریم گمتھلویؒ خلیفۂ حضرت تھانویؒ ان دنوں مدرسہ معین الاسلام نوح کے ناظم تھے۔اصلاح باطن کے لیے ان سے رائے لی۔انہوں نے حکیم الامت

حضرت تھانویؒ سے رجوع کا مشورہ دیا۔ تلاش مرشد میں گھر سے نکلے۔ ارادہ تھا کہ مناسبت جس شخصیت سے بھی ہوگی اپنا ہاتھ اسی کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ پہلا پڑاؤ تھانہ بھون تھا۔ خانقاہی دستور کے مطابق انہوں نے کاغذ پر اپنی آمد کی وجہ بیان کی۔ ایک لطیفہ یہ بھی ہوا کہ نام کا اندراج کرنے والے نے دھیر نکا کا املا غلط کر دیا۔ مولانا نے توجہ دلائی تو جواب ملا کہ یہاں اصلاح کی نہیں جاتی، کرائی جاتی ہے۔ سخت متحیر ہوئے کہ یہ بھی کوئی جواب ہے، تاہم زبان سے کچھ نہیں کہا۔ طے شدہ وقت پر تھانوی المجد د سے ملاقات ہوئی۔ کچھ عرض ومعروض بھی ہوا۔ طبیعت کا میلان خود میں نہیں پایا، وہاں سے اٹھے اور حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ کا قصد لیے بس اسٹینڈ کی راہ لے لی۔

بس آنے میں ابھی وقت تھا۔ گرمی کا زمانہ۔ مولانا اپنے رفقا کے ساتھ قریب کی مسجد میں فروکش ہو گئے۔ آپس میں کچھ مقامی زبان میں باتیں ہونے لگیں۔ مولانا عبدالکریم گمتھلویؒ اس وقت تھانہ بھون میں تھے۔ خانقاہ پہونچے اور میواتی عقیدت مندوں کا حال معلوم ہوا تو بہت افسوس کیا۔ حضرت سے سفارش کی کہ انہیں اصول سے مستثنیٰ قرار دے کر بیعت کرلی جائے۔ میں نے ہی انہیں بھیجا تھا۔ حضرت نے ہامی بھر لی۔ فرمایا کہ انہیں بلا لاؤ۔ گمتھلوی المغفور نکلے۔ بس اڈے پہونچے۔ وہاں انہیں نہ پا کر مایوس ہوئے۔ قریب کی مسجد سے گزرے تو میواتی زبان کان سے ٹکرائی۔ سمجھ گئے کہ وہی ہوں گے۔ اندر گئے اور ان سے کہا کہ حضرت نے بلایا ہے۔ مولانا مال پوریؒ نے کہا: رائے پور کا ارادہ کرلیا ہے، اب تو وہیں جانا ہے۔

مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے تعلق

اس وقت تھانہ بھون کے ساتھ جن خانقاہوں کے چرچے تھے ان میں رائے پور کی خانقاہ رحیمیہ بھی تھی۔ اس دکان معرفت کے مسند نشیں شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ تھے، مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے خلیفۂ ارشد۔ مولانا مال پوری نے ہم آہنگی پا کر حضرت رائے پوری کو اپنا مرشد بنالیا۔ مولانا مال پوری جب بھی رائے پور جاتے تو ان کا قیام ایک جھونپڑی میں ہوتا۔ دو چار ساتھی بھی اسی میں ٹھہرتے۔ ہفتہ یا اس سے زائد قیام کے دوران بھی خانقاہ پر بار نہ بنتے، بلکہ طعام کے تمام لوازمات ساتھ لے کر جاتے۔ مرشد رائے پوریؒ کو اپنے مرید کی یہ ادا اتنی پسند آتی کہ متوسلین سے کہتے کہ طلب صادق اس کو کہتے ہیں۔

علامہ کشمیریؒ سے عقیدت ومحبت

علامہ کشمیریؒ مولانا کے انتہائی محبوب استاذ تھے۔ دارالعلوم میں ان سے بخاری اور ترمذی پڑھی تھی۔ یہ دارالعلوم میں علامہ کا آخری سال تھا۔ اگلے چند ماہ کے بعد ذی الحجہ میں ڈابھیل فروکش ہو گئے تھے۔

مولانا مال پوری بھی دیوبند سے ڈابھیل چلے گئے اور اپنے شفیق استاذ سے دوبارہ دورہ پڑھا۔ مولانا کو استاذ گرامی سے اس درجہ تعلق کہ ان کے درسی افادات اور تصنیفات کا خوب مطالعہ کرتے۔ صاحبزادۂ گرامی مفتی رشید احمد صاحبؒ لکھتے ہیں:

> ''علمی ذوق، اکابر کی تصانیف پر نظر، مسائل کی تحقیق کا خاص ذوق اور ملکہ تھا۔ پوری زندگی یکسوئی اور تنہائی میں کتب بینی میں گزری۔ ایک ایک مسئلہ کی تحقیق میں کتابیں دیکھتے۔ مختلف جگہ مستند دارالافتاؤں میں سوالات بھیجے جاتے، بالخصوص اپنے استاذ محترم حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے بڑے دلدادہ اور عاشق تھے۔ ہمیشہ ان کی بخاری شریف کی تقاریر کے مجموعہ فیض الباری کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔'' (حیات محی السنہ، ج:۱، ص:۶۷)

تصنیفات و تالیفات

مولانا نے قرطاس و قلم کے ذریعے بھی اشاعت دین کا فریضہ انجام دیا۔ کئی بیش قیمت کتابیں ان کے قلم سے نکلیں، ان میں سے چند یہ ہیں: عظمۃ الجمعۃ فی البلدان والمدائن۔ جمعہ فی القری۔ حصن الحجاج۔ علمی مشورہ۔ فاتحہ خلف الامام۔ یہ تمام کتابیں اپنے موضوع پر کافی و وافی ہیں اور ان کی مناظرانہ طبیعت کی بھرپور غماز بھی۔

دارالعلوم عبدیہ کا قیام

۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا، بہت سے مسلمان میوات سے پاکستان چلے گئے۔ جو یہاں رہ گئے ان میں جہالت کافی پھیل گئی۔ ہتھین بھی انہیں میں سے تھا۔ مولانا نے ہتھین کے باشندوں کے لیے ۱۹۶۰ء میں ایک مکتب قائم کیا اور ایک مدرس کا انتظام بھی۔ پھر خود ہی ماہ بہ ماہ انہیں مشاہرہ دیتے رہے۔ ہتھین بڑی آبادی ہے۔ مسلمان بھی کافی تھے۔ ضرورت تھی کہ یہاں ایک مرکزی ادارہ قائم ہو، اہل علاقہ کی کوششوں سے اسی مکتب کو ترقی دی گئی اور اس کا نام مولانا کے نام پر دارالعلوم عبدیہ تجویز کیا گیا۔ یہ ادارہ اس وقت میوات کے بڑے مدارس میں سے ہے۔ تین سو کے قریب طلبہ یہاں تعلیم پا رہے ہیں۔ علاقے کے عوام و خواص کی دینی ضرورت اسی دارالعلوم سے پوری ہو رہی ہے۔

مولانا کی اولاد

مولانا کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلا نکاح مال پوری کے قریب پاؤسر میں ہوا، اس سے ایک لڑکا ہوا جو بچپن میں ہی فوت ہوگیا۔ بعد میں کسی مسئلے پر اہلیہ سے بھی علحدگی ہوگئی۔ دوسرا نکاح قیام مال پوری کے دوران ہوا۔ میاں جی عبداللہ صاحب ٹیکری کی صاحب زادی محمودی صاحبہ ان کی دوسری اہلیہ ہیں۔ ان کی ساری اولاد اسی محل سے ہوئیں۔ مرحومہ اپنے نام کی طرح اسم با مسمی اور صفات حمیدہ سے آراستہ تھیں۔ ان کے والد مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے والد گرامی مولانا محمد اسماعیل جھنجھانوی کے بااختصاص شاگرد تھے۔

رشید، بشیر، نورالدین اور انوار جیسے فرزندان مولانا مال پوری کو عطا ہوئے۔ یہ سب کے سب معتبر عالم دین ہوئے اور اسلام کے سچے خادم کہلائے۔ ان کی خدمات دینیہ بھی قابل صد احترام ہیں۔ سب سے چھوٹے بیٹے مولانا انوار احمد صاحب کے سوا اب کوئی بھی حیات نہیں۔ پوتوں میں مولانا مسعود احمد صاحب اور مولانا عرفان قاسمی دادا کے مشن پر قائم ہیں۔ پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں بھی دوسری تیسری نسل دیکھ رہی ہیں۔ بارک اللہ فی حیاتھم۔

روحانی اولاد اور شاگرد کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ سیکڑوں تو کافی نامور بھی ہوئے جن کے روشن کارناموں سے پورا میوات استفادہ کر رہا ہے۔ ان کے تربیت یافتگان بھی اتباعِ سنت میں اپنی نظیر آپ تھے۔

مولانا کی علالت اور وفات

مولانا مرحوم کا کاروان زندگی بڑی خوش خرامی کے ساتھ چل رہا تھا۔ صحت بھی بہتر اور قابلِ رشک تھی۔ حیلے روزی بہانے موت۔ عمر کے آخری پڑاؤ پر فالج کا حملہ ہلکے انداز میں ہوا۔ پھر شدید ہوتا چلا گیا اور آخر میں یہی فالج ان کے لیے مرض الموت بن گیا۔ بیماری کے ان ایام میں بھی نمازوں کا اہتمام نہ چھوٹا۔ بسا اوقات غشی طاری رہنے لگی۔ بالآخر بروز جمعرات مؤرخہ ۱۵/محرم ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۸/ مئی ۱۹۶۴ء کو چھ بج کر پانچ منٹ پر ان کا وصال ہوگیا۔ نماز جنازہ اسی دن صاحبزادۂ گرامی مفتی رشید احمد صاحب نے ادا کرائی اور تدفین اپنے ہی خرید کردہ پلاٹ میں عمل میں آئی۔

ان کے سانحۂ وفات کو ساٹھ سال ہوگئے، مگر جاننے والے ابھی تک کہہ رہے ہیں:

مضت الدهور وما اتين بمثله

ولقد اتى فعجزن عن نظرائه

……◆……

جامعہ کی سرگرمیاں

ادارہ

طلبہ کے تکرار و مطالعہ کے لیے جامعہ کی طرف سے اعلامیہ

۱۳/اپریل ۲۰۲۶ء کو ہی جامعہ میں تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ طلبہ و اساتذہ بحمد اللہ اپنے مفوضہ امور میں مستعدی سے مشغول ہیں۔ تکرار و مطالعہ طلبہ کی صلاحیتوں کو صیقل کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، اس لیے جامعہ کی طرف سے اس سلسلے میں کچھ ہدایات بھی جاری کی گئی ہیں۔ ہدایات کا متن پیش ہے:

طلبۂ عزیز! (۱) سالِ چہارم، سالِ پنجم اور تکمیلِ ادب عربی و افتاء کے طلبہ اپنی درس گاہوں میں تکرار کریں۔ (۲) اعدادیہ، سالِ اوّل، سالِ دوم اور سالِ سوم کے طلبہ مسجد انور شاہ میں تکرار کریں۔ (۳) ناظرہ اور حفظ کے طلبہ اپنی درس گاہ میں اسباق یاد کریں۔ حضرات اساتذۂ کرام نگرانی فرمائیں گے، حاضری بھی ہوگی۔ تمام طلبہ پابندی کریں۔

نوٹ: (۱) مغرب بعد کی غیر حاضری پر اُسی طرح مواخذہ ہوگا جس طرح دن کی تعلیمی ساعت میں غیر حاضری پر ہوتا ہے۔ (۲) تکرار کا دورانیہ کم از کم ڈیڑھ گھنٹے پر مشتمل ہوگا اور کسی بھی طالب علم کو باہر جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

وضع قطع کی بابت خصوصی ہدایت

علم دین حاصل کرنے کا مقصد اتباع سنت ہے۔ اتباع سنت ہی کا ایک جز وضع قطع کی درستگی اور اصلاح بھی ہے۔ الحمدللہ جامعہ میں اس پہلو پر بھی خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ خلاف وضع قطع جامعہ کو منظور نہیں۔ اس سلسلے میں جامعہ کی واضح ہدایت ہے کہ:

کسی بھی طالب علم کو جامعہ امام محمد انور شاہ میں دورانِ تعلیم کسی بھی قسم کے بڑے بال رکھنے کی

اجازت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی طالب علم کے بال بڑے یا وضع قطع نامناسب پائی گئی تو اُسے فوراً درست کرانا ہوگا۔ اِس سلسلے میں کسی بھی استاذِ محترم کا فیصلہ حتمی اور آخری ہوگا۔

تعطیل عید الاضحیٰ کا اعلان

جامعہ میں تعلیمی سال کی پہلی تعطیل کلاں کا اعلان آچکا ہے۔ سفری سہولیات کے پیش نظر ایک ماہ پہلے ہی طلبہ کے لیے ہدایات بھی جاری کردی گئی ہیں۔ دفتر تعلیمات سے جاری اعلامیے کا متن درج ذیل ہے:

طلبۂ عزیز! (۱) تعطیل عید الاضحیٰ ۲۳ر مئی ۲۰۲۶ء سنیچر سے ۴ر جون ۲۰۲۶ء جمعرات تک ہوگی۔

لہٰذا طلبۂ عزیز مذکورہ تاریخوں کے مطابق ہی اپنے اسفار کی ترتیب بنائیں۔ قبل تعطیل یا بعد تعطیل ایک یوم کی بھی غیر حاضری کرنے والے طلبہ کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی اور اُن کا نام کاٹ دیا جائے گا۔ (۲) جامعہ امام محمد انور شاہ داخل شدہ تمام طلبہ کو تعطیل عید الاضحیٰ، تعطیل شش ماہی اور تعطیل سالانہ کے موقع پر اپنے وطن جانے کی اجازت دیتا ہے اور آئندہ دو تعطیل کے درمیان گھر جانے کی رخصت کو منظور بھی نہیں کرے گا۔ مذکورہ تعطیلات میں جامعہ کا مطبخ بند رہے گا۔

تعطیل عید الاضحیٰ کے موقع پر خصوصی ہدایات

تعلیمات نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ سفر کے دوران مندرجہ ذیل ہدایات کا خصوصی اہتمام کریں:

طلبۂ عزیز! عن قریب آپ تعطیل عید الاضحیٰ کے لیے اپنے اپنے گھروں کو جائیں گے، اِس سلسلے میں ملک کے حالات کے پس منظر میں چند امور پیش نظر رکھیں:

(۱) سفر میں اگر چند ساتھی ہوں تو بہت بہتر ہے، حتی الامکان تنہا سفر سے گریز کیجیے۔ (۲) تحمل، برداشت، ایثار اور وقار کے ساتھ سفر کیجیے۔ معمولی تنازعات، سیاسی و مذہبی بحث ومباحثہ سے سفر میں قطعاً اجتناب کیجیے۔ (۳) کسی اجنبی سے میل جول، اپنے موبائل سے کال، اجنبی کے دئے ہوئے کسی بھی قسم کے کھانے سے پرہیز کیجیے اور ہر ہر اسٹیشن پر بلاضرورت اترنے چڑھنے سے بھی گریز کیجیے۔ (۴) مؤمنانہ وقار و کردار کے ساتھ سفر کیجیے۔ اپنی آئی ڈی (I.D.) موبائل نمبر اور گھر کا مکمل پتہ ایک چھوٹی ڈائری میں نوٹ کر کے لازماً اپنے ساتھ رکھیے۔ وقت متعین پر جامعہ واپس آجایئے۔ جامعہ آپ کے بہ عافیت جانے اور بہ عافیت ہی واپسی کے لیے دعا گو ہے۔ واللہ معکم این ما کنتم۔

رواق انظر کے پہلے منزلے کی تعمیر مکمل

جامعہ کے جدید دار الاقامہ رواق انظر کی تعمیر بحمد اللہ رفتاری سے جاری ہے۔ اس کے کئی کمرے پہلے ہی تعمیر ہو کر طلبہ کے استعمال میں ہیں۔ بقیہ کمرے بھی پایۂ تکمیل کو پہونچ چکے۔ رنگ و روغن کا کام باقی تھا، بفضلہٖ تعالیٰ اس سے بھی فراغت ہوگئی ہے۔ اس طرح پہلا منزلہ مکمل ہوگیا۔

امید ہے کہ دوسرے منزلے کی تعمیر بھی جلد ہی شروع ہو جائے گی۔ یہ دار الاقامہ بانئ جامعہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری قدس سرہ کے نام نامی سے معنون ہے۔

وفیات

مولانا حکیم عبداللہ مغیثی صاحب کی رحلت

۵ر اپریل ۲۰۲۶ء کو مشہور ملی رہ نما اور عظیم عالم دین مولانا حکیم عبداللہ مغیثی اجراڑوی صاحب کی رحلت سے غم کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا مغیثی کا شمار ملک کی قدآور اور بارسوخ شخصیات میں ہوتا تھا۔ وہ آل انڈیا ملی کونسل کے صدر تھے۔ اس پلیٹ فارم سے ملک وملت کی مثالی رہ نمائی کر رہے تھے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن تاسیسی تھے۔ جامعہ گلزار حسینیہ اجراڑہ کے ۶۵ر برسوں تک مہتمم رہے اور اپنے ادارے کو چار چاند لگائے۔ مرحوم مغیثی حضرت مولانا فخر الدین مرادآبادیؒ کے شاگرد تھے اور زمانۂ طالب علمی سے ہی جمعیۃ علماء ہند کی تحریکوں سے وابستہ رہے۔ بعد ازاں انہوں نے جمعیۃ علماء میرٹھ کے صدر کی حیثیت سے طویل عرصے تک خدمات انجام دیں اور دینی وملی بیداری کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے خطبات جچے تلے، گہرے، علمی اور باوزن ہوتے تھے۔ ان کے خطبات کا ضخیم مجموعہ بھی اہل علم تک پہونچ چکا ہے۔ ملک کے بدلتے حالات پر ان کی گہری نگاہ رہتی تھی۔ وہ دار العلوم ندوۃ العلماء جیسے ادارہ کے رکن اور مظاہر علوم وقف کی مجلس شوریٰ کے بھی رکن تھے۔

مولانا کا وطن گھگرولی ضلع سہارنپور تھا۔ میرٹھ کے ہسپتال میں انہوں نے آخری سانس لی۔ ملک کی اہم علمی، سیاسی اور سماجی شخصیات نے ان کی وفات پر گہرے صدمے کا اظہار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

مولانا ریاض الحسن ندوی صاحب کا انتقال

۱۸/اپریل ۲۰۲۶ء کو مولانا ریاض الحسن ندوی مظاہری صاحب کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا مظاہری باکمال عالم دین تھے۔ جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور کے ممتاز اساتذہ میں ان کا شمار تھا۔ تفسیر اور حدیث کے دروس سالہا سال سے دے رہے تھے۔ زبان وبیان پر بڑا عبور تھا۔ اردو کے مستند ادیب کی حیثیت سے بھی ان کا تعارف تھا۔ وہ اپنے ادارے کے ترجمان بھی تھے۔ صاف ستھرے اور بے باکانہ اظہارِ خیال کے لیے جانے جاتے تھے۔ ملی مسائل میں بھی سرگرم رہتے تھے۔ قلم کے دھنی اور فکر سلیم سے مالامال تھے۔ آئینۂ مظاہر کے چیف ایڈیٹر تھے۔ ادھر کئی برسوں سے بیمار چل رہے تھے۔ ان کے انتقال پر سرکردہ علمی وملی شخصیات نے غم کا اظہار کیا ہے۔ باری تعالیٰ عز اسمہ ان کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے۔

مولانا قمر عثمانی صاحب کے لیے دعائے مغفرت

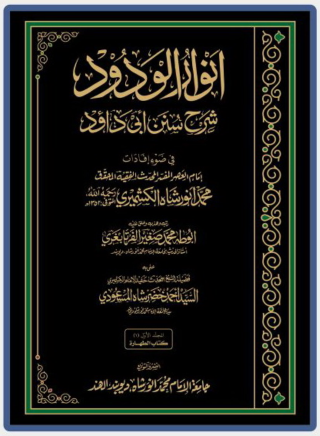
۲۳/اپریل ۲۰۲۶ء کو دارالعلوم وقف دیوبند کے قدیم استاذ اور فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ مسعودی کشمیری قدس سرہ کے رفیق درس حضرت مولانا قمر عثمانی صاحب دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ موصوف عالمِ اسلام کی قدآور شخصیت حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے خالہ زاد بھائی تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید تھے۔ سالہا سال دارالعلوم وقف میں تدریس کی۔ کئی سال استاذ حدیث رہے۔ اردو کا ذوق بڑا ستھرا رکھتے تھے۔ شاعری بھی خوب کی۔ مجموعۂ کلام نور ونکہت ان کی یادگار ہے، جو ۱۹۷۹ء میں طبع ہوا۔ اس کتاب پر مولانا سید ازہر شاہ قیصر اور جمیل مہدی جیسے مایۂ ناز ادیبوں کے تاثرات بھی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی کتابیں ان کے قلم سے نکلیں، جن میں ''مبارک تذکرے'' نامی کتاب بھی ہے۔ اس میں حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، علامہ کشمیریؒ، حضرت تھانویؒ، میاں سید اصغر حسین دیوبندیؒ، حضرت مدنیؒ اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ جیسے اساطین دیوبند کے حالات قلم بند کیے گئے ہیں۔ ''اسلام کی بنیادی چیزیں'' کے نام سے کئی حصوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی، جو بڑی مفید ہے۔ بعض اہم کتابوں کے ترجمے بھی کیے۔ تینوں شخصیات کے انتقال پر جامعہ میں قرآن خوانی کے بعد ان کے لیے دعائے مغفرت کی گئی۔

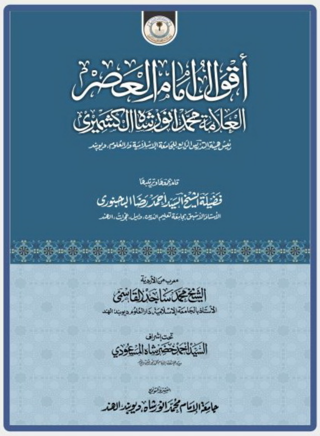
……◆……

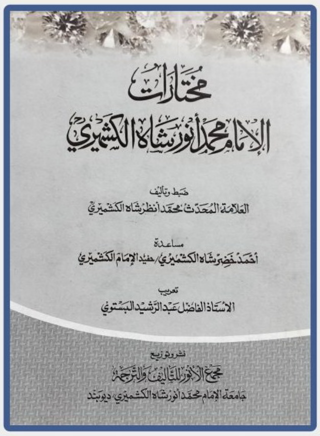
Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband
RNI UPURD/2000/10663(83220)
Contact Mob:+91-9557051315 jimask98@gmail.com
Printed, Published & Edited By Syed Ahmad Khizar Shah
on Behalf of JIMAS, Behind Eidgah, Deoband. Saharanpur (U.P.)
Printed At Mukhtar Press Samreen Printers, Deoband

May 2026

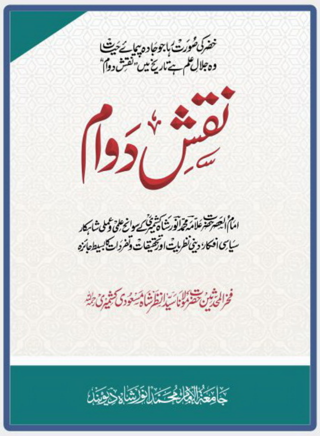
جامعہ کی چند اہم مطبوعات

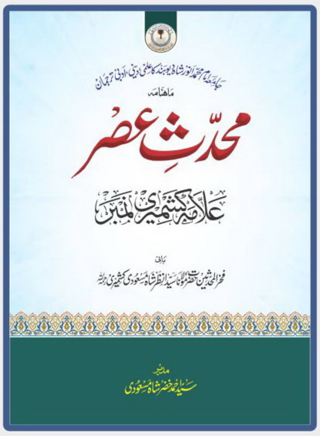


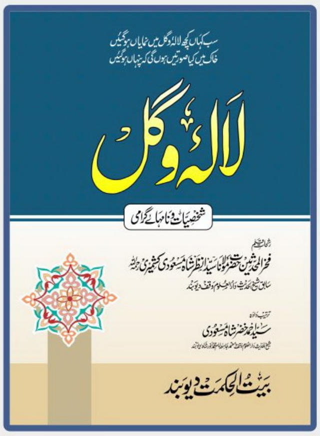


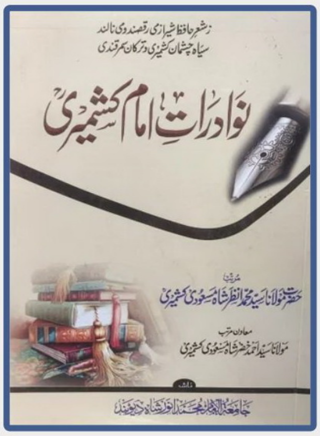


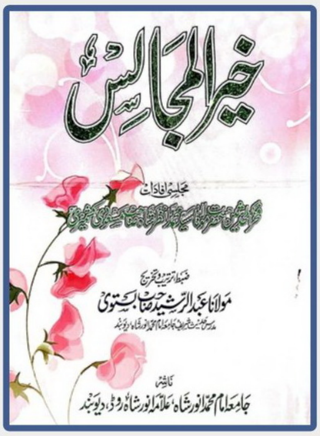












کتابیں حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں: 9760822922

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah
A/C No.: 50100420638245
IFSC : HDFC0001974
BRANCH: HDFC DEOBAND